ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
www.tanzeem.org
30
8 تا 14 شوال المکرم 1435ھ / 5 تا 11 اگست 2014ء

اس شمارے میں

امن کی آشا؟

تین اوامر، تین نواہی

کیا ہم نے قرآن کو چھوڑ نہیں دیا؟

اسرائیل کی بربریت اور مسلم حکمران

ریاستِ اسرائیل کا مستقبل

ماشاء اللہ

کل کیا ہوگا؟

اُمتِ مسلمہ کی زبوں حالی کا سبب

''تاریخِ اسلام کا سب سے بڑا المیہ نفسانیت کا وہ کھیل ہے جو ہمیشہ اپنا تماشہ دکھاتا رہا' ہم نے کبھی اپنے دشمنوں سے شکست نہیں کھائی۔ تاریخِ عالم اور تاریخِ اسلام پر نظر رکھنے والے ایک طالب علم کی یہ بات سن لیجئے اور اس کو اپنے دل و دماغ میں امانت رکھ لیجئے کہ ہم نے اپنے دشمنوں سے شکست نہیں کھائی ہے۔ ہم نے اپنے اندرونی اختلافات کے باعث شکست کھائی ہے۔ اسی نفسانیت کی بدولت ہم نے سلطنتیں کھوئی ہیں' ہمارے ملکوں کے چراغ گل ہو گئے ہیں اور اسلام بعض اوقات پورے پورے ملکوں سے خارج کر دیا گیا ہے۔

اس کی میں صرف ایک مثال دوں گا' وہ مثال سپین کی ہے۔ سپین سے اسلام کو نکالنے والی سب سے بڑی طاقت نفسانیت اور باہمی خانہ جنگی تھی۔ میں اسے تسلیم نہیں کرتا کہ تنہا عیسائی طاقت نے اندلس سے اسلام اور مسلمانوں کو نکالا اور ان کا چراغ گل کر دیا' اس میں بہت کچھ دخل تھا شمالی عربوں' حجازیوں اور یمنی عربوں کی باہمی آویزش اور داخلی نزاعات کا' جو عرصہ سے چل رہے تھے۔ یمنی اور حجازی' ربیعہ اور مضر کی باہمی جنگ سے یہ نوبت آئی کہ اسلام سپین سے آخری طور پر نکال دیا گیا اور یہ ملک اقبال کے الفاظ میں اذانوں سے محروم ہو گیا ۔

دیدۂ انجم میں ہے تیری زمیں آسماں
آہ کہ صدیوں سے ہے تیری فضا بے اذاں

یہی داستان اکثر اسلامی ملکوں کی ہے۔ برصغیر ہند میں مغلوں کا شیرازہ بکھیرنے والی' مسلمانوں کو اقتدار سے محروم کر دینے والی اور ان کی طاقت کا چراغ گل کر دینے والی چیز یہی نفسانیت تھی۔''

نئی دنیا میں صاف صاف باتیں
مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

الھدیٰ (622)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

ارادۂ الٰہی اور تخلیقِ کائنات

سُورۃُ النّحل | بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ | آیت 40

اِنَّمَا قَوۡلُنَا لِشَیۡءٍ اِذَاۤ اَرَدۡنٰہُ اَنۡ نَّقُوۡلَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ﴿۴۰﴾

آیت ۴۰ ﴿اِنَّمَا قَوۡلُنَا لِشَیۡءٍ اِذَاۤ اَرَدۡنٰہُ اَنۡ نَّقُوۡلَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ﴿۴۰﴾﴾ ”ہمارا قول تو کسی چیز کے بارے میں بس یہ ہوتا ہے‘ جب ہم اس کا ارادہ کرتے ہیں کہ ہم فرماتے ہیں اُسے ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔“

اس نکتے کو اچھی طرح سمجھ لینا ضروری ہے کہ یہ حکم عالم امر کے بارے میں ہے‘ جبکہ عالم خلق میں یوں نہیں ہوتا (عالم امر اور عالم خلق کے بارے میں وضاحت اس سورۃ کی آیت ۲ اور سورۃ الاعراف کی آیت ۵۴ کے ضمن میں گزر چکی ہے)۔ عالم امر میں کسی واقعے یا کسی چیز کے ظہور پذیر ہونے کے لیے اسباب‘ وسائل اور وقت درکار نہیں‘ بلکہ اللہ تعالیٰ ارادہ فرما کر کن فرماتے ہیں تو وہ چیز وجود میں آجاتی ہے۔ عالم خلق میں بھی کلی اختیار تو اللہ ہی کا ہے مگر اس عالم کو عام طبعی قوانین کے مطابق چلایا جاتا ہے۔ چنانچہ عالم خلق میں کسی چیز کو وجود میں آنے اور مطلوبہ معیار تک پہنچنے کے لیے اسباب‘ وسائل اور وقت کی ضرورت پیش آتی ہے۔ یہ کائنات اپنے تمام طبعی موجودات کے ساتھ عالم خلق کا اظہار ہے۔ آیت زیر نظر کے موضوع کی مناسبت سے یہاں میں کائنات کی تخلیق کے آغاز سے متعلق اپنی سوچ اور فکر کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں۔

کائنات کی تخلیق کے بارے میں ایک طرف تو پرانے فلسفیانہ تصورات ہیں اور دوسری طرف جدید سائنسی نظریات (theories)۔ فلسفیانہ تصورات کے مطابق سب سے پہلے وجودِ باری تعالیٰ سے عقل اوّل وجود میں آئی۔ عقلِ اوّل سے پھر فلکِ اوّل اور پھر فلکِ اوّل سے فلکِ ثانی وغیرہ۔ یہ مشائینؔ کے فلسفے ہیں جو ارسطو اور اس کے شاگردوں کے نظریات کے ساتھ دنیا میں پھیلے اور ہمارے ہاں بھی بہت سے متکلمین ان سے متاثر ہوئے۔ بہرحال جدید سائنسی انکشافات کے ذریعے ان میں سے کسی بھی نظریے کی کہیں کوئی تائید و تصدیق نہیں ہوئی۔

دوسری طرف جدید فزکس کے میدان میں اعلیٰ علمی سطح پر اس سلسلے میں جتنے بھی نظریات (theories) ہیں اُن میں ”عظیم دھماکے“ (Big Bang) کا تصور پایا جاتا ہے۔ اس تصور کے تحت Big Bang کے نتیجے میں ارب ہا ارب درجہ حرارت کے حامل بے شمار ذرات وجود میں آئے۔ یہ ذرات تیزی سے حرکت کرتے ہوئے مختلف forms میں اکٹھے ہوئے تو کہکشائیں (galaxies) وجود میں آئیں اور چھوٹے بڑے بے شمار ستاروں کا ایک جہان آباد ہو گیا۔ انہی ستاروں میں ایک ہمارا سورج بھی تھا‘ جس کے اندر مزید ٹوٹ پھوٹ کے نتیجے میں اس کے سیارے (planets) وجود میں آئے۔ سورج کے ان سیاروں میں سے ایک سیارہ ہماری زمین ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ ٹھنڈی ہوتی رہی اور بالآخر اس پر نباتاتی اور حیوانی زندگی کے لیے سازگار ماحول وجود میں آیا۔ آج کی سائنس فی الحال ”بگ بینگ“ سے آگے کوئی نظریہ قائم کرنے سے قاصر ہے۔ اس نظریے سے جو معلومات سائنس نے اخذ کی ہیں وہ ان تمام حقائق کے ساتھ مطابقت (corroboration) رکھتی ہیں جن کا علم اس موضوع پر ہمیں قرآن سے ملتا ہے۔ اس سے پہلے مادے کے بارے میں سائنس قانون بقائے مادہ (Law of conservation of mass) کی قائل تھی کہ ”مادہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا“ مگر نئے نظریے کو اپنا کر سائنس نے نہ صرف بگ بینگ کو کائنات کا نقطہ آغاز تسلیم کر لیا ہے بلکہ یہ بھی مان لیا ہے کہ مادہ ایک خاص وقت تک کے لیے ہے اور ایک خاص وقت کے بعد ختم ہو جائے گا۔

ہفت روزہ
لاہور
ندائے خلافت
تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر
تنظیم اسلامی کا ترجمان، نظامِ خلافت کا نقیب
بانی: اقتدار احمد مرحوم
8 تا 14 شوال المکرم 1435ھ — جلد 23
5 تا 11 اگست 2014ء — شمارہ 30
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
مدیر: ایوب بیگ مرزا
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد، طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ لاہور
مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور-54000
فون: 36366638-36316638 فیکس: 36313131
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور-54700
فون: 03-35869501 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org
قیمت فی شمارہ 12 روپے
سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 450 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا---------------------(2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اداریہ

رفیق چودھری

امن کی آشا — یا — اکھنڈ آریانا؟

پاکستان اور انڈیا کے درمیان دوستانہ تعلقات کے قیام کے لیے ایک میڈیا گروپ ایک عرصہ سے ''امن کی آشا'' کے عنوان سے مہم چلا رہا ہے۔ پاکستان میں ایک مؤثر لابی ملک و قوم کے اساسی نظریہ سے بے گانہ ہو کر اس کی حمایت کر رہی ہے۔ موجودہ حکومتی حلقوں میں بھی اِس حوالے سے گرم جوشی پائی جاتی ہے۔ امن کی آشا کے خوشنما عنوان میں چھپے زہر سے دانستہ یا نادانستہ چشم پوشی کی جا رہی ہے۔ اِس حوالے سے زیر نظر مضمون چشم کشا ہے۔ مضمون کی خصوصی اہمیت کے پیش نظر اِسے ادارتی صفحات میں شائع کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

برصغیر پاک و ہند کی تاریخ میں جب بھی کہیں ''امن کی آشا'' کو ''چرچا'' حاصل ہوا ہے تو اس کے بعد وہاں امن کا تماشا اسی طرح لگا ہے جس طرح آج کل وطن عزیز میں یہ آشا اپنے گل کھلا رہی ہے۔ تاریخ کے صفحات سے ظاہر ہے کہ یہی اس کی ہر دور میں ''آشا'' بھی رہی ہے۔ لہٰذا بحیثیت مسلمان آپس کی لڑائی اور خانہ جنگی کو طول دینے کی بجائے اس وقت ہمیں اس گوشۂ تاریخ سے بہت کچھ سیکھنے کی ضرورت ہے۔

امن کی آشا کو جس قدر عروج سولہویں صدی عیسوی میں حاصل ہوا، اتنا کبھی نہیں ہوا، مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ یہی صدی برصغیر میں مسلم اقتدار کے زوال کی بھی صدی ہے۔ بلاشبہ یہ وہ وقت تھا جب ہم بلاشرکت غیرے برصغیر کے طول و عرض کے وارث تھے۔ لیکن جب ہمارے حکمران اسلامی نظریات کی پاسداری کی بجائے حرص اقتدار، لذت جاہ و جلال میں ڈوب کر محض اپنے اقتدار کو دوام بخشنے کی خاطر اس آشا کی زلف گرہ گیر کے اسیر ہو گئے تو وہ وقت آنے میں دیر نہیں لگی جب اسی طرح سرحدوں پر انگریز بیٹھا تھا اور ہم چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ کر آپس میں لڑنے بھڑنے پر مجبور تھے اور ہمارے میر جعفر اور میر صادق ملک اور ملت کی بنیادیں کھود کر ''بیرونی آقاؤں'' کا راستہ ہموار کر رہے تھے۔

تنزل اور بالآخر غلامی کے اس سفر کی ابتداء کا باعث ''امن کی آشا'' کا اصل چہرہ کیا ہے؟ موجودہ دور میں اس کی صحیح ترین عکاسی دہلی میں مقیم معروف بھارتی صحافی ڈاکٹر وید پرتاپ ویدک کا وہ کالم ہے جو انہوں نے پاکستان میں ن لیگ کی حالیہ حکومت کے قیام کے وقت ''نواز شریف کے لیے تاریخ بنانے کا سنہری موقع'' کے عنوان سے لکھا۔ ''میری رائے میں میاں نواز شریف کی فتح پاکستان ہی نہیں پورے جنوبی ایشیا کے لیے مبارک ثابت ہوگی۔ اگر 1999ء میں فوج ان کی حکومت کا تختہ نہ اُلٹاتی تو اب تک ہندوستان اور پاکستان باہمی رشتوں کے بہت اونچے مقام پر پہنچ چکے ہوتے۔'' (روایتی چاپلوسی اور خوشامد کے بعد گمراہی کی کھلی دعوت) ''یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ 14 برس کا بنواس (اقتدار سے دوری) کاٹنے کے بعد میاں صاحب اپنی غلطیوں کو نہیں دھرائیں گے۔ (غلطیوں کی نشاندہی کرنے کے بعد جن میں ایک یہ بھی کہ انہوں نے طالبان کو سر چڑھایا۔ لکھتے ہیں) ظاہر ہے اس بار وہ توازن برقرار رکھیں گے، وہ اپنا ادھورا کام پورا کریں گے (پھر بڑی طمع اور لالچ) اور کچھ ایسا کر دکھائیں گے کہ ان کا نام جناح اور نہرو سے بھی بڑا ہو جائے۔ (پھر اپنے اصل مکروہ مدعا کی طرف آتے ہوئے) میاں نواز کے والد صاحب مجھ سے اکثر پوچھا کرتے تھے کہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب یہی تھا کہ ہند، پاک فیڈریشن بن جائے اور اس دو قومی یونین ریاست کے صدر

میاں نواز شریف منتخب ہوں اور پھر اراکان (برما) سے خراسان (ایران) تک ایک اکھنڈ آریانا بنایا جائے جو یورپی یونین سے بھی بہتر ہو۔ (پھر اس مکروہ آشا کو خوشنما بناتے ہوئے) ہمارے اس بڑے خواب کی شروعات ہندوستان کا کوئی لیڈر نہیں کرسکتا، اسے تو پاکستان کا ہی کوئی لیڈر کرسکتا ہے۔ کیونکہ پاکستان جنوبی ایشیا کے بیچوں بیچ موجود ہے۔ اگر وہ اپنا راستہ کھول دے تو جنوبی ایشیا کے درجن بھر ممالک کے راستے ایک دوسرے لیے اپنے آپ کھل جائیں گے۔ (آخر میں ایک اور ابلیسی جال پھینکتے ہوئے) دیکھنا یہ ہے کہ میاں نواز شریف محض وزیراعظم کے عہدہ سے مطمئن ہوجاتے ہیں یا تاریخ کی دیوار پر کوئی لمبی لکیر کھینچتے ہیں۔''

یہ ہے ''امن کی آشا'' کا وہ مکروہ چہرہ، جس کے پیچھے ہمیشہ ایک پُرفریب اور مکروہ سوچ پوشیدہ رہی ہے اور وہ ہے ''اکھنڈ آریانا'' Myth۔ جس کے لیے امن کی آشا کو انتہائی خوشنما بناکر پیش کیا جاتا ہے اور اس کے بعد کیا ہوتا ہے، تاریخ بتاتی ہے کہ مغل بادشاہ جلال الدین اکبر محض ایک مسلم حکمران کے طور پر ''مطمئن'' نہیں ہوگئے بلکہ ویدک پرتاپ جیسے خوشامدی درباریوں کی باتوں میں آکر تاریخ میں اپنا نام اونچا دیکھنے، اپنی سلطنت وحکومت کو دوام بخشنے کی خاطر بالآخر ''دین اکبری'' اور ''آئین اکبری'' کی صورت میں ایک ''لمبی لکیر کھینچ ڈالی''۔ اور ہندو مسلم ''باہمی رشتوں'' کو ''اونچے مقام'' تک پہنچانے کے لیے ہمارے حکمرانوں اور دانشوروں کی طرح ''امن کی آشا'' کی محض آشا ہی نہیں کی بلکہ باقاعدہ ''رشتہ داری'' کی صورت میں کئی ''آشاؤں'' کو اپنے اور کئی دوسرے مغل شہزادوں کے خلوت کدوں میں ''امن'' بکھیرنے کا موقع بھی دیا، اور ہمارے حکمرانوں کی طرح ''موسٹ فیورٹ نیشن'' کا عندیہ ہی نہیں دیا بلکہ باقاعدہ طور پر ہندو تہذیب کو ''فیورٹ ہونے'' کے لیے مسلم اقدار ونظریات کی تمام تر دیواریں خود گرادیں۔ جواب میں ہندو سوسائٹی میں انہیں ''شہنشاہ اکبر'' کا لقب حاصل ہوا اور ہندو درباریوں اور آشا کے پجاریوں نے سجدۂ تعظیمی بھی بجالایا مگر۔۔۔۔ تاریخ کی دیوار پر یہ سب کچھ صرف لمحوں کے لیے ''لکیریں'' ثابت ہوئیں۔ وہ بھی ایسے لمحات کے طور پر جن کی سزا صدیوں نے پائی۔ بہت جلد یہ لکیریں ہندوستان کی تاریخ میں بدنما سیاہ داغ میں بدل گئیں۔ قدرت نے اسلام سے غداری کا انتقام اس طور پر لیا کہ نہ مغل سلطنت رہی، نہ دائمی شہنشاہیت کا خواب، نہ سجدۂ تعظیمی، نہ امن اور نہ آشا۔ کچھ بھی نہ رہا، مگر اسلام پھر بھی زندہ رہا۔ اور مجدد الف ثانیؒ کی صورت میں اللہ نے اسلام کا محافظ بھیج دیا۔

ہندو مسلم اتحاد کا شوق ناہنجار تھا یا ''امن کی آشا'' کا جنون، جس نے مرحوم کشمیری نیشنلسٹ لیڈر شیخ عبداللہ کو انڈین کنفیڈریشن کا مکروہ منصوبہ لے کر صدر جنرل ایوب خان کے دور میں پاکستان کا دورہ کرنے پر مجبور کیا۔ مرحوم ہمارے سیاستدانوں اور آشا کے ''پروانوں'' سے بھی دو قدم آگے بڑھ کر فرمایا کرتے کہ ''میرا دل ہندوستانی تہذیب میں اٹکا ہوا ہے''۔ بالآخر اس کا انجام انہوں نے اپنی زندگی میں ہی کشمیریوں کے سفاکانہ قتل عام اور اذیت ناک غلامی کی صورت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور آج وہاں بھارت دیوار برہمن تعمیر کررہا ہے۔ اقبالؒ نے کیا خوب کہا تھا۔

عشق و مستی کا جنازہ ہے تخیل ان کا
ان کے اندیشۂ تاریک میں قوموں کے مزار
موت کی نقش گری ان کے صنم خانوں میں
زندگی سے ہنر ان برہمنوں کا بیزار

اگر امن کی آشا میں خیر کا کوئی پہلو موجود ہوتا اور اس کے (ڈاکٹر ویدک جیسے) ''پرچاریوں'' کے دعوؤں میں کوئی سچائی ہوتی تو مولانا ابوالکلام آزاد کو جو مقام متحدہ ہندوستان کی حمایت پر حاصل ہونا چاہیے تھا نہرو یا گاندھی کو وہ مقام حاصل نہ ہوتا۔ مگر خوشنما دعوؤں کے برعکس اقلیتی راہنماؤں کے عہدے محض ایک دکھاوا یا ڈھونگ سے زیادہ ثابت نہ ہوئے۔ بقول پروفیسر ہیری اینڈرسن اصل حقائق یہ تھے کہ جب حیدرآباد میں چالیس ہزار مسلمانوں کو بے دردی سے قتل کردیا گیا تو مولانا نے نہرو سے تحقیقات کی سفارش کی مگر اس کے باوجود رپورٹ سامنے نہ آسکی اور اس کے بعد بھی انڈین فوج اور پولیس کی نگرانی میں بے گناہ مسلمانوں کے خون سے ہولی کا کھیل جاری رہا اور آج تک بستیوں کی بستیاں جلاکر مسلم ورثہ اور جائیداد واملاک پر قبضہ جمانے اور جبراً ہندو بنانے کا سلسلہ نہ صرف جاری و ساری ہے بلکہ اب تو باقاعدہ مسلمانوں کا خون سیاست میں کامیابی کی ضمانت بن چکا ہے۔ موجودہ مودی حکومت جس کی سب سے بڑی مثال ہے۔

تاریخ کی دیوار پر کھینچی گئی یہ ''لمبی لکیریں'' اس لائق تھیں کہ ہمارے ''مقتدر حلقے'' اور دانشوران سے سبق حاصل کرتے۔ یہ لکیریں چیخ چیخ کر بیان کررہی ہیں کہ قومیں صرف اس وقت تک ہی زندہ رہ سکتی ہیں جب تک ان کی اصل تہذیب اور نظریات زندہ رہتے ہیں۔ جبکہ ''امن کی آشا'' جیسے خالص دجالی ہتھکنڈے غیر ہندو قوموں کی تہذیب اور نظریات کے لیے ہمیشہ زہر قاتل ثابت ہوئے ہیں۔ تاریخ کے سینے پر نقش یہ لکیریں ظاہر کرتی ہیں کہ جس قوم نے بھی ایک بار یہ تریاق پیا ہے بحیثیت قوم اس کی تہذیب اور نظریات کی عمارت اپنی بنیادوں پر زیادہ دیر کھڑی نہ رہ سکی اور کچھ ہی عرصہ بعد اس کے کھنڈروں پر ''اکھنڈ آریانا'' جیسے مکروہ محل تعمیر کرنے کے خواب سجائے گئے۔ جیسا کہ خود پروفیسر بلراج مدھوک کا 1990ء میں ہندوستان سے شائع مضمون میں اظہار ہے ''نہ یونانی رہے، نہ ہن رہے، نہ بدھ رہے اور نہ مسلمانوں کو مسلمانوں کی طرح رہنے کا حق دیا جارہا تھا۔''

یہ تمام قومیں اپنے اپنے وقت میں ہندوستان کی تقدیر پر غالب رہیں اور تاریخ گواہ ہے کہ انہیں بذریعہ جنگ زیر نہیں کیا جاسکا اور نہ جوہڑ نما ''بھرت وادی'' کو گنگا اور جمنا سے باہر کا تصور شمشیر زنی جیسے بہادرانہ جوہر کی بدولت ہی حاصل ہوا، بلکہ یہ ''امن کی آشا'' جیسے بزدلانہ اور ابلیسی حربے تھے جن کی کوکھ سے اکھنڈ آریانا کی مکروہ متھ نے جنم لیا اور اسی آشا کے پُرفریب اور خوشنما جال میں پھنس کر مذکورہ بالا اقوام اکھنڈ آریانا کی مکروہ سوچ کو پروان چڑھانے کا باعث ثابت ہوئیں۔ یہ تاریخ کا عظیم سبق ہے جسے ہمیشہ بھلا دیا جاتا ہے کہ ایک ایسے وقت میں جب ہندو تہذیب دنیا سے تقریباً مٹ چکی تھی، گندھارا تہذیب کے زیر اثر بدھ مت برصغیر میں پھیل چکا تھا۔ خود ہندو تاریخ کے مطابق ''ہندو دھرم کی کتابوں کو

پاؤں تلے روندا جا رہا تھا اور برہمنوں کا کوئی بس نہیں چل رہا تھا''۔ تب۔۔۔ دنیا جانتی ہے کہ یہ ''امن کی آشا'' ہی تھی جس کو آخری حل کے طور پر برہمنوں نے آزمایا۔ چنانچہ گندھارا تہذیب سمیت بدھ مت کا نشان تک مٹ گیا اور نتیجہ کے طور پر دنیا سے تقریباً مٹتی ہوئی دجالی ہندو تہذیب کو دوبارہ پنپنے کا موقع مل گیا اور اس کے ساتھ ہی دنیا میں اس عظیم فتنہ (اکھنڈ Myth) نے جنم لیا، جس نے آگے چل کر ان تمام قوموں اور انہی جیسی بے شمار اقوام کو جن کا نام بھی تاریخ میں باقی نہ رہا اس ہندو عفریت کا تر نوالہ بنا ڈالا۔

اسلام کی آمد کے بعد یہ اقوام کش ہندو آسیب پژمردہ حالت میں کہیں پس پردہ چلا گیا اور جب تک برصغیر کی مسلم قومیت اپنی اصل بنیادوں پر ثابت قدم رہی اس خطہ میں مسلم نظریات واثرات کی چھاپ گہری ہوتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ ایک وقت میں اس مکروہ متھ کا صفحۂ ہستی سے مکمل خاتمہ ممکن ہو چکا تھا۔ یہ وہ وقت تھا کہ اس کو دوبارہ اُبھرنے کا موقع نہ دیا جاتا تو آج برصغیر کی بیشتر اقوام اپنی تاریخ، تہذیب اور پہچان کے ساتھ زندہ ہوتیں اور کشمیر، آسام، حیدرآباد، جوناگڑھ، منادر سمیت بیشتر ریاستوں میں انسانیت ہندو اجارہ داری کے زیر اثر غلامی کی طرز زندگی میں سسک سسک کر دم نہ توڑ رہی ہوتی، اقلیتوں کو زندہ نہ جلایا جاتا۔

مگر مسلم حکمرانوں کی حد سے بڑھی ہوئی حرص اقتدار نے سولہویں صدی عیسوی میں ایک بار پھر اس منحوس وآدم بیزار ابلیسی تصور کو ''امن کی آشا'' کی آڑ میں سر اُٹھانے کا موقع فراہم کر دیا۔ چنانچہ اکھنڈ بھارت کا یہ مردہ عفریت تہذیب کی ''اکبری قبا'' اوڑھ کر نہ صرف دوبارہ اُٹھ کھڑا ہوا بلکہ ''آئینِ اکبری'' کے تحت اسے زندہ ہونے کا مضبوط جواز بھی فراہم کر دیا گیا، جب قوموں کی تاریخ اور نسب بدل کر دانستہ تاریخ میں اس کی مضبوط جڑیں قائم کر دی گئیں۔

ستم یہ کہ انسانی تاریخ کا یہ سب سے بڑا فراڈ جو کہ پوری انسانیت کے ساتھ سنگین مذاق سے کسی بھی صورت کم نہ تھا ''امن کی آشا'' کے نام پر کیا گیا۔ اس طرح یہ آشا برصغیر کی بیشتر اقوام کی موت کا پروانہ بن گئی اور اکھنڈ آریانا کا وہ ابلیسی منصوبہ جو اب تک محض ایک من گھڑت، بے بنیاد اور خیالی مفروضہ تھا، مسلمانوں کی ان سنگین غلطیوں کی بنا پر دنیا نے اس کو سچ مان لیا۔ یہاں تک کہ اسلام مخالف جذبات سے مغلوب انگریز سرکار کی پشت پناہی میں یہ دجالی عفریت پہلی بار انڈین فیڈریشن کے نام سے گول میز کانفرنسز (1930ء تا 1933ء) میں زیر بحث آ چکا۔ یہ واضح طور پر ''اکھنڈ بھارت'' کے ابلیسی منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے مترادف تھا اور یہی وہ وقت تھا جب اقوام برصغیر کے سامنے صرف دو راستے تھے کہ یا تو وہ اس متھ کا مقابلہ کر کے اپنی تہذیب اور تاریخ کے ساتھ زندہ رہ لیں یا پھر سب کچھ ''امن کی آشا'' کی بھینٹ چڑھا کر اکھنڈ بھارت کی بنیادوں میں دفن ہو جائیں کہ جس طرح ان سے پہلی قوموں نے اپنا نشان کھو دیا۔ چنانچہ تاریخ کی یہی وہ اہم ترین پکار تھی جس پر لبیک کہتے ہوئے چودھری رحمت علیؒ نے گول میز کانفرنسز کے دوران ہی Now or Never کی صدا بلند کی۔

> "At this solemn hour in the history of India, when British and Indian delegates are laying the foundations of a Federal Constitution for that Sub-continent, we address this appeal to you, in the name of our common heritage, and on behalf of our thirty million Muslim brothren who live in Pakistan"

اور انڈین فیڈریشن کو تسلیم کرنے کے حوالے سے تاریخ کی یہ وارننگ بہانگ دہل سنائی۔

> "This acceptance amounts to nothing less then signing the death-warrant of Islam and of Muslims in India."

وہ پاکستان جس کی بنیادوں میں مجدد الف ثانیؒ کی عظیم تر قربانیاں شامل ہیں جو انہوں نے ''اکبری قبا'' میں چھپی انڈین ازم کی تہذیبی یلغار کا مقابلہ کر کے مسلمانوں کے علیحدہ قومی تشخص کو بچانے کے لیے دیں، علامہ اقبالؒ نے اس تشخص کو قائم رکھنے کے لیے جس کا خواب دیکھا، چودھری رحمت علیؒ نے بروقت انڈین فیڈریشن (اکھنڈ بھارت) کا مکروہ منصوبہ خاک میں ملاتے ہوئے جس کا نام اور نقشہ دنیا کے سامنے کے پیش کر دیا اور قائداعظمؒ کی قیادت میں لاکھوں مسلمانوں کی بے مثال قربانیوں کے بعد بالآخر پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ خطہ سے اکھنڈ Myth کی غاصبانہ اور مہلک سوچ کو جڑ سے اُکھاڑ کر جنوبی ایشیا کی تمام اقوام کو اس متھ کے استحصالی شکنجہ سے نجات دلانا فطرت کو مقصود تھا۔ فطرت کا یہی تقاضا دینِ فطرت اسلام میں غزوۂ ہند کی صورت میں بیان ہوا۔ اسلام امن اور سلامتی کا دین ہے اور پیغمبر اسلام ﷺ تمام انسانوں کے لیے سراپا رحمت۔ ممکن نہیں کہ کوئی قوم یا گروہِ انسانی اس قدر شدت سے دینِ فطرت کا ہدف ٹھہرے، البتہ یہ نظریات اور عقائد ہی ہوتے ہیں جو کسی بھی قوم کو غلط یا صحیح بناتے ہیں۔ چنانچہ یقینی طور پر غزوۂ ہند کی غیر معمولی اہمیت کی اصل وجہ یہی انڈین ازم (اکھنڈ بھارت) متھ ہو سکتی ہے جو دراصل جنوبی ایشیا میں اقوام اور انسانیت کے لیے سب سے بڑا دجالی فتنہ ہے، اور قوموں کی موت اور انسانیت کی قاتل ہے۔ چاہے یہ مخالف قوموں کا پانی روک کر انہیں معاشی، اقتصادی اور زرعی لحاظ سے مفلوج بنانے کی صورت میں ہو، قوموں کے سیاسی، سماجی اور معاشرتی قتل عام یا ان کی تاریخ، تہذیب اور ثقافت پر ڈاکا ڈال کر مختلف دجالی ہتھکنڈوں اور حیلے بہانوں سے یا جبراً ہندو بنانے کی صورت میں، اس سب کے پیچھے دراصل یہی اکھنڈ آریانا کی مکروہ سوچ کارفرما ہے۔ لہٰذا اس مہلک عقیدے کو مٹانے میں ہی دراصل خطہ میں حقیقی امن کا راز پنہاں ہے۔ یہی فطرت کا تقاضا ہے اور قیام پاکستان کا قدرت کو مطلوب مقصد بھی۔ جو تاریخ کا مسلمانوں پر قرض بھی ہے اور انسانیت کے ناتے خطہ کی دیگر اقوام کی جانب سے فرض بھی، جو محض مسلمانوں کی غفلت اور کوتاہ اندیشی کی وجہ سے پلنے بڑھنے والے انڈین ازم کے بدمست ہاتھی کے پاؤں تلے روندی جا رہی ہیں۔ یہ اقوام تاریخ کی اس اہم ترین وارننگ سے ناواقف تھیں

جیسے عیسائی، سکھ، دراوڑ، اچھوت، بدھ، پارسی وغیرہ یا پھر ایسی تھیں جیسی کچھ ہی دیر بعد فطرت کی آواز پر لبیک کہنا پڑا، جس طرح کشمیری، سکھ، اسامی، تامل وغیرہ۔ سب کے لیے پاکستان ہی دراصل اُمید کی آخری کرن تھا اور یہ تب ہی ممکن تھا جب اجتماعی نجات کے اس فطری پیغام کی تجدید کے لیے آج خطہ کی مسلم اکثریت (بنگلہ دیش، افغانستان، کشمیر) باہم متحد و منظم قوت ہوتی۔

''اگر ہم سب مل کر اس متھ (اکھنڈ بھارت کے من گھڑت قصے) کا مقابلہ کریں اور اس کو کاری ضرب لگائیں تو اس کا خاتمہ ایسا ہوگا کہ جس کی یہ مستحق ہے اور ہم سب کے سب آزاد ہو جائیں گے۔ لیکن اگر ہم نے لیت ولعل کرتے ہوئے یہ سنہری موقع ضائع کر دیا تو انڈو برٹش کا اس بارے میں دوستانہ اشتراک Entente اسے اپنے پورے تشدد کے ساتھ ہم پر دوبارہ مسلط کر دے گا۔ اس صورت میں ہم ہر چیز کھو دیں گے اور ہم سب انڈین قوم کے غلام ہوں گے۔ شاید صدیوں کے لیے، ممکن ہے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔ (چودھری رحمت علیؒ 1945ء)''

آج امریکا، برطانیہ اور دیگر اسلام دشمن قوتیں پوری قوت سے ہندو اجارہ داری کو پورے خطے پر مسلط کرنے کے درپے ہیں اور اس ضمن میں ''انڈو برٹش'' Entente کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں رہی، جس کا واضح طور پر مقصد خطہ میں اسلامی نظریاتی قوتوں کو ازسرِنو اُبھرنے کا موقع نہ دینا صاف ظاہر ہو چکا ہے۔ جبکہ ہندو اکھنڈ آریانا کے مکروہ مفروضہ کو یورپی یونین کی طرح خوشنما بنا کر کیوں پیش کر رہے ہیں؟ حقیقت آج بھی وہی ہے جو 1947ء سے قبل تھی۔

''ہندو جاتی کے افراد......ایسا اس لیے کر رہے ہیں چونکہ ان کو اس متھ کے قائم و دائم رہنے سے موقع ملتا ہے: اول، یہ کہ ہمیں وہ اپنے اندر گھلا ملا کر رکھیں، اس کے بعد یہ کہ وہ ہمیں قوموں میں تتر بتر کر دیں، اور آخر میں یہ کہ وہ ہمیں اپنی انڈین (ہندی) قومیت میں جذب کر لیں''۔

(چودھری رحمت علیؒ۔ 15 مئی 1945ء)

سولہویں صدی عیسوی میں ہم ''گھلنے ملنے'' کے جس تلخ تجربہ سے گزر کر کے اپنی اقتدار اور میراث کھو چکے اور اپنی ان نادانیوں کے باوصف اکھنڈ بھارت کے گڑے مُردے کو اُکھاڑ بیٹھے کہ جس نے اپنی دجالی تہذیب کی قبر سے سر نکالتے ہی ایک ناسور کی شکل اختیار کر کے پورے خطے کی آزادی کو سلب کر لیا، آج ایک بار پھر ہم اسی تلخ تجربہ کو ''امن کی آشا'' کے نام پر دوہرا رہے ہیں۔ موسٹ فیورٹ نیشن کا عندیہ پیش کر کے اکھنڈ بھارتی متھ کو مزید پروان چڑھا رہے ہیں۔ دجالی تہذیب اور کلچر کو مسلط کر کے مسلم تشخص، تہذیب و روایات کو مسخ کیا جا رہا ہے۔ ایک طرف مفاد پرست عناصر اور دین بیزار سیکولر طبقہ انڈیا سے دوستی اور تجارت کی پینگیں بڑھانے کے لیے بے تاب ہے اور دوسری طرف ہمارے ارباب اختیار، سیاست دان اور دانشور دو بالکل مختلف اور متضاد تہذیبوں میں کوئی فرق نہیں سمجھتے بلکہ ان کے نزدیک صرف سرحد ہی فرق ہے۔

بحیثیت مسلم اپنے اعلیٰ ترین نصب العین اور عظیم ترین مقصد جس کے لیے فطرت نے ہمارا انتخاب کیا تھا کو پس پشت ڈالتے ہوئے امن کی آشا'' کی ان بھول بھلیوں میں بھٹکنے کا منطقی نتیجہ بھی لازمی طور پر وہی نکلنا تھا جو سولہویں صدی عیسوی کے بعد ہم بھگت چکے ہیں۔ یعنی ایک اُمتِ واحدہ کا ہمہ گیر تصور رکھنے کے باوجود ایک بار پھر مختلف، نسلی، لسانی، علاقائی گروہوں، فرقوں اور قبائل میں ''تتر بتر'' ہو کر آپس میں لڑنے بھڑنے پر مجبور ہو جائیں۔ اس وقت یہی صورحال ہے۔ انگریز دوبارہ سرحدوں پر بیٹھا ہماری نظریاتی اور اساسی قوت کو کچلنے کے درپے ہے۔ دوسری طرف ویدک پرتاپ جیسے ہندو متعصب ذہن ہماری ان نادانیوں کی بنا پر ''اراکان (برما) سے خراسان (ایران) تک اکھنڈ آریانا'' کے خواب دیکھ رہے ہیں۔

تاریخ کی یہ سخت ترین وارننگ متقاضی ہے کہ ہم آج بھی اپنے اولین نصب العین کی طرف لوٹ آئیں اور بحیثیت مسلمان اس عظیم تر مقصد کو پہچان لیں جو خطہ میں ہماری علاقائی اور ملی ذمہ داریوں کا امین بھی ہے۔ بعید نہیں کہ قدرت ہمیں ایک بار پھر بحیثیت پاکستانی، افغانی، بنگلا دیشی، کشمیری، سنی، دیوبندی، وہابی متحد و منظم کر دے اور ہم ایک بار پھر مسلمہ قوت بن کر خطہ کی دیگر اقوام کے لیے بھی نجات دہندہ بن جائیں۔ جلد یا بدیر مسلم اتحاد پر مشتمل کنفیڈریشن ہی خطہ میں طاقت کے توازن، مسائل کے حل اور حقیقی امن کے قیام کا فطری حل ہے۔ بصورت دیگر اگر ہم نے آج اپنی ملی، علاقائی اور فطری ذمہ داریوں کا احساس نہیں کیا تو شاید تاریخ ہمیں کبھی معاف نہ کرے اور فطرت اپنا بدترین انتقام اس طور پر لے کہ سولہویں صدی کے بعد اتنا نقصان نہ ہوا ہو جتنا ہماری قوت کا شیرازہ بکھرنے سے اب ہو سکتا ہے۔

پریس ریلیز 18 جولائی 2014ء

اسرائیلی مظالم پر مسلمان حکمرانوں کی خاموشی قابل مذمت ہے۔

حافظ عاکف سعید

اسرائیلی مظالم پر مسلمان حکمرانوں کی خاموشی قابل مذمت ہے۔ یہ بات تنظیم اسلامی کے امیر **حافظ عاکف سعید** نے ایک بیان میں کہی۔ انہوں نے کہا کہ اسرائیل فلسطینیوں پر بمباری کے حوالے سے جس درندگی اور بربریت کا مظاہرہ کر رہا ہے تاریخ اس کی مثال دینے سے قاصر ہے۔ خاص طور پر بچوں کو ٹارگٹ کیا جا رہا ہے۔ درحقیقت اسرائیل فلسطینیوں کی نسل کشی کر رہا ہے۔ وہ فلسطینی نوجوانوں پر خاص طور پر وحشت اور خوف طاری کرنا چاہتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ خلیجی ریاستوں کی تنظیم عرب لیگ اور او آئی سی نے اس ظلم اور درندگی پر مجرمانہ خاموشی اختیار کی ہوئی ہے۔ باقی مسلمان حکمران بھی مذمت کا ایک لفظ منہ سے نکالنے کے لیے تیار نہیں، کیونکہ اس صورت میں انہیں اپنے تخت اور اقتدار خطرے میں نظر آتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مسلمان حکمرانوں نے جو طرزِ عمل اختیار کیا ہے اس پر وہ اللہ کے عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں۔ اللہ مسلمانوں کو اپنے مظلوم، بے کس اور کمزور بھائیوں کی عملی مدد کرنے کا حکم دیتا ہے جبکہ مسلمان حکمران اسرائیل کے پشتیبان امریکہ کی نظر کرم کے خواہاں نظر آتے ہیں۔

(جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر و اشاعت تنظیم اسلامی)

تین اوامر، تین نواہی

سورۃ النحل کی آیت 90 کی تشریح اور وضاحت

امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید ﷾ کے ایک خطاب جمعہ کی تلخیص

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآیِٔ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ ج یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ o﴾ (النحل:90)

''اللہ تم کو انصاف اور احسان کرنے اور رشتہ داروں کو (خرچ سے مدد) دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور نامعقول کاموں سے اور سرکشی سے منع کرتا ہے (اور) تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم یاد رکھو۔''

یہ آیت پانچویں خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے خطبہ ثانی میں شامل کی' اس وقت سے اب تک اس کو اہتمام سے شامل رکھا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر خیر اور شر کا ذکر جامعیت کے ساتھ اس ایک آیت میں سمو دیا ہے۔ گویا یہ قرآن حکیم کی عظیم ترین آیات میں سے ہے۔ سورۃ نحل ہی میں قرآن کی شان میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ اس میں ہر چیز کی وضاحت موجود ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ یہ آیت اس دعوے کی ایک بہت بڑی گواہی ہے۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے تین اوامر کا ذکر فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآیِٔ ذِی الْقُرْبٰی﴾ ''اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے عدل کا' احسان کا' رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے کا''۔ اسی طرح تین چیزوں سے منع کر دیا: ﴿وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ﴾ ''اور وہ منع کرتا ہے' بے حیائی کے کاموں' اور منکرات اور سرکشی سے۔'' جس چیز کو فطرت انسانی ناگوار محسوس کرتی ہے یا وہ کام جس کے کرنے سے آپ کا ضمیر ملامت کرتا ہے' وہ سب چیزیں منکرات میں شامل ہیں۔ اپنی حدود کو پھلانگنا اور دوسرے کے حقوق پر ڈاکا ڈالنا سرکشی ہے۔

تفسیر عثمانی میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''اس آیت مبارکہ میں عدل سے مراد ہے کہ آدمی کے تمام عقائد' تمام اعمال' اخلاق' معاملات اور جذبات اعتدال اور انصاف کے ترازو میں تلے ہوئے ہوں۔ یہ ہے پہلا لفظ ﴿اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ﴾ اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے عدل کا' اور عدل ان تمام پہلوؤں کو محیط ہے۔''

عقائد میں عدل کیا ہے؟ اس کائنات میں سب سے بڑی حقیقت ''توحید'' ہے جو عقلی طور پر بھی ثابت ہے۔ جتنا زیادہ انسان مشاہدہ کرے گا اس کون و مکاں میں' زمین و آسمان میں اور مظاہر فطرت میں' ایک بات تو لازماً پختہ ہوگی۔ وہ یہ ہے کہ کوئی ایک حکمت' کوئی ایک ارادہ' کوئی ایک اختیار ہے' جو اس تمام نظام کے پیچھے کارفرما ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی جتنی آگے بڑھے گی' اتنی ہی یہ بات مزید پختہ ہوگی۔ سورۃ الانبیاء میں بڑے سادہ انداز میں اللہ تعالیٰ نے اس کو بیان فرمایا: ﴿لَوْ کَانَ فِیْھِمَآ اٰلِھَۃٌ اِلَّا اللّٰہُ لَفَسَدَتَا﴾ :(آیت:22) ''آسمانوں اور زمین میں اگر ایک سے زیادہ الٰہ (معبود) ہوتے '(ایک سے زائد بااختیار ہستیاں ہوتیں) تو یہاں فساد برپا ہو جاتا''۔ اگر کئی خالق ہوتے تو ہر ایک اپنی مخلوق کو لے کر کائنات کے تحت حکومت پر قبضہ کرنے کے لئے زور آزمائی کرتا، کھینچ تان ہوتی' اقتدار کی رسہ کشی ہوتی۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے۔ نظام کائنات میں ایک ہی حکمت' ایک ارادہ' ایک مشیت اور ایک اختیار کارفرمائی کا اقرار عقیدے اور نظریے کا عدل ہے اور اس سب سے بڑی حقیقت کا انکار سب سے بڑی ناانصافی ہے' جسے شرک کہا جاتا ہے۔ اسی لئے قرآن میں صاف اعلان کر دیا گیا: ﴿اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ﴾ (لقمان:13) ''شرک سب سے بڑا ظلم ہے''۔ شرک جیسے ظلم کے مرتکب کی کوئی بخشش نہیں' ہاں موت سے پہلے اگر وہ توبہ کر لے اور توحید پر آ جائے' تو اللہ تعالیٰ بخش دے گا' لیکن اگر اسی شرک کے ساتھ مر گیا تو وہاں اس کے لئے کوئی معافی نہیں۔ سورۃ النساء میں فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ :(آیت:48) ''اللہ تعالیٰ اس کو ہرگز نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس کے سوا جس (گناہ) کو چاہے گا بخش دے گا''۔ انسان کو اللہ نے اشرف المخلوقات اور مسجود الملائک بنایا' اسے عقل عطا کی اور اسے سماعت و بصارت دی' اسے شعور دیا۔ اگر اس کے باوجود وہ اتنی بڑی حقیقت کا انکار کر رہا ہے' اور اِسے ڈھٹائی کے ساتھ جھٹلا رہا ہے' تو ایسے شخص کے لئے کوئی معافی نہیں ہے۔ ہاں اس سے کم تر گناہوں میں سے جس کو چاہے گا' بخش دے گا' یہ اس کی اپنی صوابدید اور ضابطہ ہے۔

اس سے آگے چلئے، اعمال میں عدل کیا ہوگا؟ جب اللہ کو مان لیا اور اللہ سے عہد کر لیا کہ ﴿اِیَّاکَ نَعْبُدُ﴾ ''اے پروردگار ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں (اور ہمیشہ کریں گے)''۔ تو اب عدل کا تقاضا یہ ہے کہ اس عہد کو پورا کیا جائے، حقوق اللہ بھی ادا کئے جائیں اور حقوق العباد بھی۔ جن چیزوں کو اللہ نے فرض اور واجب قرار دیا' اگر ہم نے اُن میں ڈنڈی ماری تو عدل سے پھر گئے۔ جو فرائض اور واجب' اللہ کی طرف سے معین ہو چکے ہیں' اس میں کمی کا ہمارے پاس کوئی اختیار نہیں ہے۔ کوئی شخص کہے کہ میں نماز تو نہیں پڑھتا البتہ دوسرے بہت سے نیک کام کرتا ہوں تو وہ عدل کی پٹڑی سے اترا ہوا ہے۔ اعمال میں عدل یہ ہوگا کہ تمام فرائض اور واجبات کو ادا کیا جائے اور جو حرام کام ہیں' یعنی جن اُمور سے روک دیا گیا' آدمی ان سے رک جائے۔

معاملات میں عدل کیا ہوگا؟ آپس کے معاملات میں توازن کی روش اختیار کرنا۔ مثلاً کسی سے وعدہ کیا ہے تو اُسے پورا کیا جائے' کسی نے امانت رکھی ہے تو اس میں خیانت نہ کی جائے۔ عدل کے مضمون کو قرآن مجید میں یہ کہہ کر آخری منطقی انتہا تک پہنچایا گیا ہے کہ: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ وَلَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ اَوِالْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ﴾ (النساء:135) ''اے اہل ایمان! عدل و انصاف کو قائم کرنے والے اور اللہ کے گواہ بن کر کھڑے ہو جاؤ، عدل و انصاف کی بات تمہارے اپنے خلاف یا تمہارے والدین کے خلاف یا تمہارے رشتہ داروں کے خلاف ہی جاتی ہو''۔ اس لئے

کہ انسان بالعموم یہاں پر ڈنڈی مار جاتا ہے۔ وہ اپنے تولنے کے باٹ کچھ اور رکھتا ہے اور دوسروں کو کسی اور باٹ سے تولتا ہے۔ معاملات میں عدل یہ ہے کہ سب کو ایک ہی باٹ سے تولو۔ اگر کسی سے محبت ہے تو اس کی وجہ سے ڈنڈی نہ مارو۔ اگر کوئی بات رشتہ داروں کے خلاف جاتی ہو‘ خود اپنے خلاف جاتی ہو‘ یا والدین کے خلاف جاتی ہو‘ بہر صورت حق کا ساتھ دیا جائے۔ یہ نہیں ہے کہ چونکہ فلاں ہمارا رشتہ دار ہے‘ ہماری پارٹی کا ہے، لہٰذا خواہ وہ حق پر نہ بھی ہو تب بھی انہی کے پلڑے میں وزن ڈالنا ہے۔ یہ عدل نہیں ہے۔ عدل وہ ہے جو حضورﷺ نے قائم کر کے دکھایا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ غیر مسلم بھی آپؐ کی عدالت میں فیصلے کرانے آتے تھے۔ قرآن حکیم نے اس معاملے کے دوسرے رخ کو بھی واضح کر دیا کہ کسی کی دشمنی کی وجہ سے بھی تم عدل و انصاف سے نہ ہٹ جانا۔ فرمایا: ﴿كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا﴾ (المائدہ:8) ’’(مسلمانو!) کھڑے ہو جاؤ اللہ کے لئے عدل و انصاف کے گواہ بن کر۔ اور دیکھنا کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم راہ عدل سے ہٹ جاؤ۔‘‘

اخلاقیات میں عدل کیا ہوگا؟ یہ کہ ایک دوسرے کی عزت و احترام کیا جائے، کسی کی عزت نفس پر حملہ نہ کیا جائے‘ ہر ایک کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے۔ اگر کوئی آپ کی عزت نفس پر حملہ کرتا اور آپ کے ساتھ زیادتی کرتا ہے تو عدل کا تقاضا یہ ہے کہ آپ اُس سے اُسی قدر بدلہ لیں، اس سے تجاوز نہ کریں۔ ﴿وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾ (الشوریٰ:40) قرآن نے یہ اصول دے دیا کہ برائی کا بدلہ اس جیسی برائی ہے۔ زیادتی کا تمہیں کوئی حق نہیں۔ اس حوالے سے سورۃ المائدہ کی آیت ہے: ﴿وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ط﴾ (آیت:45) ’’اور ہم نے ان لوگوں کے لئے تورات میں یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور سب زخموں کا اسی طرح بدلہ ہے۔ یہ ہے عدل۔ اگرچہ اِس حوالے سے احسان یہ ہے کہ معاف کر دیا جائے۔

جذبات میں بھی عدل مطلوب ہے۔ انسانی جذبات کی بہت سی صورتیں ہیں۔ غصہ بھی ایک جذبہ ہے، اس میں بھی عدل چاہئے۔ یہ مطلوب نہیں کہ انسان غصے سے بالکل پاک ہو جائے اور غیرت و حمیت بھی ختم ہو جائے۔ اگر ایک مومن دیکھ رہا ہے کہ شریعت کے اصول و احکام پامال ہو رہے ہیں‘ دینی قدروں کی دھجیاں بکھیری جا رہی ہیں‘ اس پر اُس کا خون ضرور کھولنا چاہئے‘ چہرے کا رنگ تو متغیر ہونا چاہئے۔ لیکن اس صورت حال میں عدل کیا ہوگا؟ یہ ہے کہ وہ اس نظام کو بدلنے کے لئے آنحضورﷺ نے جو طریقہ کار اختیار فرمایا‘ اس پر عمل پیرا ہو جائے۔ یہ نہیں ہے کہ ایک دفعہ نکلے‘ چند نعرے لگائے اور اپنے جذبات نکال دیئے اور فارغ ہو گئے۔ گویا ہم نے حق ادا کر دیا۔ غصے میں اعتدال کے لئے ہمیں سیرت رسولؐ اور سیرت صحابہؓ سے رہنمائی لینی ہو گی‘ یعنی انسان غصہ میں بے قابو نہ ہو جائے بلکہ اس کا اظہار صحیح جگہ پر اور صحیح طریقے پر کرے۔ اسی طرح نیکی بھی ایک جذبہ ہے۔ اس میں بھی حضورﷺ نے اعتدال کی مثالیں قائم فرمائیں اور اُمت کو اس کی تعلیم دی۔ ایک صحابیؓ میں نیکی کا جذبہ اتنا بیدار ہوا کہ کہا میں اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں دینا چاہتا ہوں۔ آنحضورﷺ نے ان کی اس آفر کو قبول نہیں کیا‘ بلکہ فرمایا کہ اپنی اولاد اور ورثاء کے لئے تو بھی کچھ رکھو۔ یہ نہ ہو کہ کل تمہاری اولاد دست سوال دراز کرتی پھرے۔ انہوں نے فرمایا کہا میں آدھا دیتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: یہ بھی قبول نہیں۔ پھر انہوں نے کہا ایک تہائی دیتا ہوں‘ آپؐ نے فرمایا کہ ہاں یہ قبول ہے اور یہ بھی بہت ہے۔ یہ ہے نیکی میں اعتدال۔ اسی طرح کا ایک اہم واقعہ تین صحابہؓ کا ہے۔ ان پر نیکی کا بڑا غلبہ ہوا۔ وہ امہات المؤمنینؓ میں سے بعض کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آنحضورﷺ کی نفلی عبادات کے بارے میں سوال کیا کہ آپؐ رات کو کتنا قیام کرتے ہیں‘ نفلی روزے کتنے رکھتے ہیں وغیرہ؟ انہیں بتایا گیا کہ آنحضورﷺ کچھ وقت رات کو آرام بھی کرتے ہیں اور رات کا ایک بڑا حصہ کھڑے بھی رہتے ہیں۔ نفلی روزے بھی رکھتے ہیں اور ناغہ بھی کرتے ہیں۔ کبھی نفلی روزے رکھتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ اب شاید مسلسل ہی رکھیں گے اور کئی دفعہ ناغہ کرنے پر آتے ہیں تو مسلسل ناغہ ہوتا ہے۔ جو صورتحال تھی وہ ازواج مطہراتؓ نے سامنے رکھ دی۔ حدیث میں الفاظ آتے ہیں کہ اُن تینوں نے اپنے خیال میں اسے کم تصور کیا۔ وہ اس سے زیادہ کی توقع لئے ہوئے تھے۔ لیکن ساتھ ہی اپنے آپ کو قائل کیا کہ چونکہ آنحضورﷺ معصوم عن الخطاء ہیں۔ لہٰذا آپؐ کے لئے تو اتنا کافی ہے‘ ہمیں کچھ اور آگے کرنا پڑے گا، اب جذبہ نیکی کا تھا۔ ایک نے طے کر لیا میں ساری عمر شادی نہیں کروں گا۔ بس اللہ سے لو لگاؤں گا۔ دوسرے نے طے کیا کہ میں ساری رات کھڑا رہوں گا‘ اپنی کمر بستر سے نہیں لگاؤں گا۔ تیسرے نے طے کر لیا کہ میں ہمیشہ روزے رکھوں گا‘ کوئی ناغہ نہیں کروں گا۔ اب بظاہر یہ نیکی کا جذبہ اور خیر کا کام ہے اور بڑے اُونچے عزائم ہیں، لیکن اعتدال دیکھئے‘ جو حضورﷺ نے اُمت کو تلقین فرمایا۔ آپﷺ کے علم میں جب یہ بات آئی تو آپؐ نے ان تینوں کو بلایا‘ اس لئے کہ اس معاملے کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ کیونکہ اس سے غلط روایت پڑ سکتی تھی۔ آپؐ کے چہرے سے بھی اور آپؐ کے الفاظ سے بھی ناراضی واضح ہوتی ہے۔ فرمایا کہ میں تم میں سے سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے والا ہوں۔ یہ غیر معمولی الفاظ ہیں لیکن اس معاملے کی اہمیت کو سمجھانے کے لئے آنحضورﷺ نے یہ انداز اختیار فرمایا۔ اور سنو میں نے شادیاں بھی کی ہیں‘ میں رات کو سوتا بھی ہوں‘ اور قیام اللیل کے لئے اٹھتا بھی ہوں۔ اور میں نفلی روزے رکھتا بھی ہوں اور ناغہ بھی کرتا ہوں اور ساتھ ہی آپ نے صاف الفاظ میں فرمایا: ((مَنْ رَّغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ)): ’’جسے میرا طریقہ پسند نہیں ہے (جو مجھ سے آگے جانے کی کوشش کر رہا ہے) اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں‘‘۔ اسلام یہ تعلیم نہیں دیتا کہ انسان اپنے نفس کو کچل ڈالے اور اس دنیا سے بالکل کٹ جائے۔ ہمارے دین کی رہبانیت ایک ہی ہے، اور وہ جہاد و قتال کے لئے نکلنا ہے۔ اس میں ظاہر بات ہے کہ وقتی طور پر انسان گھر بار چھوڑتا ہے اور جان ہتھیلی پر رکھ کر جاتا ہے۔ ترک دنیا کی صرف یہ شکل ہے کہ جو اللہ کو پسند ہے۔ یعنی آدمی جہاد و قتال کے لئے، غلبہ دین کے لئے گھر بار سے نکلے۔ لیکن نیکی میں بھی عدل و اعتدال ضروری ہے اور اس معاملے میں ہمارے لئے اُسوہ کامل نبیﷺ کی سیرت طیبہ ہے۔

یہاں تک بات ہوئی عدل کی، کہ کس طرح عقائد‘ اعمال‘ اخلاقیات اور جذبات میں عدل کی ضرورت ہے اور صرف ایک لفظ عدل میں کتنی وسعت ہے۔ اس آیت میں دوسرا حکم اللہ نے احسان کا دیا۔ احسان کیا ہے؟ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اپنی تفسیر میں بہت جامعیت کے ساتھ اس کی بھی وضاحت فرما دی کہ ’’انسان خود بھلائی اور نیکی کا پیکر بن کر دوسروں کا بھلا چاہے‘ مقام عدل و انصاف سے بلند تر ہو کر‘ فضل و عفو اور تلطف و ترحم کی خو اختیار کرے۔ فرض ادا کرنے کے بعد تطوع و تبرع کی طرف قدم بڑھائے‘‘۔ اس کی بھی کچھ وضاحت ہو جائے۔ فضل کیا ہے؟ ایک شخص سے آپ نے طے کیا کہ وہ آٹھ گھنٹے کام کرے گا، مزدوری اس کی ہزار روپے ہوگی۔ عدل یہ ہے کہ اس نے آٹھ گھنٹے کام کیا تو آپ نے ہزار روپے اس کو دے دیئے۔ احسان کیا ہے؟ یہ دیکھتے ہوئے کہ اُس نے کام اچھا کیا ہے‘ محنت سے کیا ہے‘ آپ اس کی اجرت دیتے ہوئے مزید اپنی طرف سے چالیس پچاس روپوں کا اضافہ کر دیں‘ تمام فرائض اور واجبات کو ادا کرنا تو عدل کا تقاضا ہے‘ اس پر نفل

کا جو اضافہ ہوگا' وہ احسان ہے۔ آدمی فرض نماز کے علاوہ سنتیں اور نوافل بھی ادا کرے۔ فرض روزے کے علاوہ روزے رکھے۔ انفاق کے ضمن میں عدل تو یہ ہوگا کہ ٹھیک ٹھیک زکوٰۃ ادا کی جائے۔ اس سے زیادہ اگر آدمی اللہ کے دین اور اس کی مخلوق پر خرچ کر رہا ہے تو یہ احسان ہے۔ اس سے آگے تفسیر عثمانی میں یہ الفاظ ہیں کہ ''احسان یہ ہے کہ انصاف کے ساتھ مروت کو جمع کرے اور یقین رکھے کہ جو کچھ بھلائی وہ کرے گا اللہ دیکھ رہا ہے اور وہاں سے بھلائی کا بدلہ بھلائی کی صورت میں ملے گا''۔ یہ ساری بات اللہ سے عہد بندگی کے حوالے سے ہو رہی ہے۔ ہم نے اللہ کو اپنا رب مانا: اور اقرار کیا کہ قرآن اس کا کلام ہے' اس کی دی ہوئی ہدایت ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ اصل منزل آخرت ہے' یہ دنیا دارالامتحان ہے۔ اب میں جتنا زیادہ کروں گا' اتنا بدلہ پاؤں گا۔ ایک تو فرض اور واجب ہے، جس کے بارے میں باز پرس ہوگی، اس سے زیادہ جو کچھ کر رہا ہوں یقیناً اس کے بدلے وہاں زیادہ ملے گا۔ یہ احسان کی روش ہے۔ ﴿هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ﴾ (الرحمٰن:60) عقائد اور ایمان کے اعتبار سے بھی احسان کی تعریف حدیث میں آئی ہے۔ عدل تو یہ ہے کہ انسان شرک سے بچ جائے' توحید پر کاربند رہے۔ لیکن یہ توحید یعنی اللہ پر ایمان' یقین اور توکل جب اس درجے کا ہو جائے کہ ''تم اللہ کی بندگی ایسے کرو کہ گویا تم اللہ کو دیکھ رہے ہو'' یعنی ہر وقت اللہ کی موجودگی کا احساس کا درجہ حاصل ہو جائے تو یہ مقام احسان ہے' اگر یہ نہیں تو کم از کم یہ احساس ہر وقت رہے کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے' یہ بھی درجہ احسان ہے۔ اس جذبے کے ساتھ انسان جو بھی بندگی کرے گا' اس میں خوبصورتی اور نکھار پیدا ہوگا۔ نماز فرض ہے۔ اگر آپ نماز پڑھتے ہیں اس احساس کے ساتھ کہ میں اس وقت اللہ کی نگاہ میں ہوں اور اُس سے ہم کلام ہوں' اس سے نماز میں جو حسن پیدا ہوگا وہ درجہ احسان کا ہے۔ معاملات میں بھی احسان کا معاملہ ہوتا ہے۔ کسی شخص سے آپ نے قرض لیا اور طے کر لیا کہ واپسی اضافے کے ساتھ ہوگی تو یہ سود ہے اور انتہائی سنگین اور بھیانک جرم ہے۔ عدل یہ ہے کہ جتنا قرض آپ نے کسی کو دیا تھا' اتنا ہی واپس لیں' جتنا کسی سے لیا ہے اتنا ہی واپس کریں۔ لیکن اس میں احسان کیا ہے؟ حضورﷺ کا معمول تھا کہ کسی سے کچھ قرض لیتے تو واپس لوٹاتے ہوئے اپنی مرضی سے اس میں کچھ بڑھا دیتے تھے۔ طے نہیں تھا کہ بڑھانا ہے۔ یہ تطوع ہے۔ یعنی تم ایک مشکل وقت میں میرے کام آئے تھے۔ میں اپنی مرضی سے تم کو اضافی دے رہا ہوں۔ یہ معاملات کے اندر احسان کی شکلیں ہیں۔

اس آیت میں تیسری بات یہ فرمائی ﴿وَاِيْتَآءِ ذِي الْقُرْبٰى﴾ ''(اللہ حکم دیتا ہے) رشتہ داروں کو اُن کے حقوق ادا کرنے کا''۔ قریبی رشتہ دار دوسرے لوگوں کے مقابلے میں زیادہ مستحق ہیں۔ یہ کام زیادہ مشکل ہوتا ہے' اس لئے کہ عام طور پر قریبی عزیزوں کے ساتھ شکوے شکایتیں بھی ہوتی ہیں۔ چوتھے محلے جا کر خیرات بانٹنا آسان ہے۔ یہ صلہ رحمی کا حکم ہے کہ رشتہ داروں' والدین' بہن بھائیوں کے ساتھ بھلائی کرو۔ محلے داروں' پڑوسیوں اور دوسرے مسلمانوں کے حقوق کی ادائی دراصل عدل واحسان کے تحت آتی ہے' لیکن رشتہ داروں کی اہمیت سب سے بڑھ کر ہے۔ عدل واحسان میں ان کو مقدم رکھنا چاہیے۔ اس لئے اس کو علیحدہ سے نمایاں کر دیا۔

یہ تین باتیں ہیں جن کا اللہ نے حکم دیا، آگے تین سے منع فرمایا: ﴿وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ﴾ ''فحشاء'' سے مراد ہر قسم کی فحش بات اور بے حیائی ہے۔ شیطان اسی راستے سے انسان کو صراطِ مستقیم سے بچلاتا اور راہ حق سے منحرف کرتا ہے۔ منکر کیا ہے؟ جو شے بھی معروف کے خلاف ہو' فطرت انسانی اُس سے کراہت محسوس کرے منکرات میں شامل ہے۔ کسی کا دل دکھانا' کسی کو دھوکا دینا' بدعہدی کرنا' امانت میں خیانت کرنا' جھوٹ بولنا' غلط بیانی کرنا' کسی کا مذاق اڑانا یہ سب منکرات ہیں۔ ہمیں ان سب سے روک دیا گیا۔ ''وَالْبَغْيِ'' سے ہر قسم کی طغیانی اور سرکشی مراد ہے۔ کسی دوسرے کے حقوق پر ڈاکا ڈالنا بھی طغیانی کی ایک شکل ہے۔

طغیانی کی سب سے بڑی شکل اللہ کی بغاوت پر مبنی نظام ہے۔ یہ نظام آج پوری دنیا میں رائج ہے۔ اس وقت دنیا میں اللہ کے خلاف بغاوت' سرکشی اور طغیانی اپنے عروج پر ہے۔ سیاسی سطح پر سیکولرازم دراصل ''اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى'' کا نعرہ ہے۔ یعنی ہم نہیں مانتے کہ کوئی اللہ ہے' کوئی خالق و مالک ہے' اگر ہے بھی تو وہ وہیں آسمانوں میں رہے۔ زمین میں اپنا نظام' اپنا دستور اور اپنے قوانین ہم خود بنائیں گے' یہاں ہمیں اللہ کی مداخلت ہرگز گوارا نہیں ہے۔ یہ ہے سیکولر نظام۔ اسی طرح معیشت سود پر استوار ہے۔ جس کے بارے میں قرآن میں ہے کہ اگر سود نہیں چھوڑتے تو اللہ اور رسولؐ کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔ آج پوری دنیا نے سود اختیار کیا ہوا ہے۔ اللہ اور رسولؐ کے خلاف محاذ جنگ دانستہ طور پر کھول رکھا ہے۔ یہ ہے طغیانی اور سرکشی۔ معاشرتی سطح پر آجائیں۔ بے حیا مادر پدر آزاد معاشرت' تہذیب اور کلچر عام ہے۔ یہ شیطانی تہذیب ہے' کیونکہ فحاشی شیطان کا ہتھکنڈہ ہے' جیسے قرآن نے واضح کیا: ﴿اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ﴾ ''یہ شیطان ہے جو تمہیں فقر سے ڈرا کر انفاق سے روکتا ہے اور تمہیں فحشاء کا حکم دیتا ہے''۔ شیطانی کلچر آج ہمارے گھروں تک پہنچا ہوا ہے' خواہ وہ کیبل کی شکل میں ہو یا کسی اور شکل میں ہو۔ ہم اِسے انفرادی طور پر بھی فروغ دے رہے اور ہمارے حکمرانوں نے بھی ہر گندی چیز کے لئے دروازے کھول دیئے ہیں۔ شیطانی تہذیب ہو یا شیطانی نظام آج اس کے لئے ہمارے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ اس نظام اور کلچر کو خوش آمدید کہا جا رہا ہے۔ جن چیزوں سے اللہ نے روکا ہے انہیں ہم سینہ زوری کے ساتھ اختیار کیئے ہوئے ہیں۔ حالانکہ ان سے بچنا ضروری ہے۔ آخر میں فرمایا: ﴿يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝﴾ ''اللہ تمہیں نصیحت کر رہا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو (ہوش میں آؤ)''۔

اب اس آیت کے تناظر میں ہم آج کے اپنے ماحول کو دیکھیں، ہم زلزلے اور سیلابوں کا عذاب دیکھ چکے۔ باہم ایک دوسرے کی اطاقت کا مزہ چکھ رہے ہیں لیکن ہمارے لچھن وہی ہیں۔ کیا ہم اللہ کے کسی اور عذاب کا انتظار کر رہے ہیں۔ امریکہ مسلمانوں کا قتل عام کر رہا ہے۔

یہ دین سے دُوری اور اللہ کے دین کو قائم نہ کرنے کی سزا ہے کہ آج مسلمان ملکوں کی حالت ایسے ہے جیسے بھیڑوں میں سے کسی ایک بھیڑ کو پکڑ کر قصاب ذبح کرتا ہے' پھر دوسری کو' پھر تیسری کو اور بھیڑیں اس قابل نہیں ہوتیں کہ اس قصاب کے خلاف مل کر کوئی مشترکہ لائحہ عمل ایسا مرتب کر سکیں اور اس کی سفاکیت کے خلاف کھڑی ہو سکیں۔ بس وہ انتظار کر رہی ہوتی ہیں کہ اب کس کی باری ہے۔ امریکہ مشرق وسطیٰ میں گندہ کھیل کھیل رہا ہے، جس کا مقصد گریٹر اسرائیل کے لئے راستہ ہموار کرنا ہے۔ وہ پاکستان کی ایٹمی صلاحیت کا خاتمہ اور یہاں خانہ جنگی کروا کر ملک کے حصے بخرے کرنا چاہتا ہے۔ وہ کبھی ہمارا خیر خواہ نہیں ہو سکتا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنے رب کو راضی کریں۔ عوام بھی اللہ کی طرف رجوع کریں اور حکمران بھی۔ حکومت علامہ اقبال اور قائداعظم کے تصورات کے مطابق مملکت خداداد پاکستان میں دین حق کے قیام اور شریعت کے نفاذ پر کمربستہ ہو جائے۔ ایسا نہ ہو کہ اللہ ہمیں جو مہلت دے رہا ہے، وہ ختم ہو جائے اور ہم اُس کے کسی بڑے عذاب کی لپیٹ میں آ جائیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم انفرادی اور اجتماعی سطح پر توبہ کریں اور اصلاح حال پر کمربستہ ہو جائیں۔ ہمارے حکمرانوں سمیت ہر شخص پہلے اپنی ذات پر اور پھر ملک میں حقیقی اسلام نافذ کرنے کے لئے سرگرم عمل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے' آمین!

☆☆☆

کیا ہم نے قرآن کو چھوڑ نہیں دیا؟

اوریا مقبول جان

ہمارے ہاں مسجدوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے اوران کی وسعت میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ جہاں کبھی تنکوں کی بنی ہوئی صفیں ہوتی تھیں وہاں اب دبیز قالین بچھے ہوئے ہیں۔ کچے گارے اور اینٹوں سے بنی ہوئی گاؤں کی مسجدوں پر بھی خوبصورت ٹائلیں، سنگ مرمر اور آرائشی مینا کاری نظر آتی ہے۔ مسجد میں جہاں کبھی پنکھے بھی میسر نہ تھے اب وہاں نمازیوں کی سہولت کے لیے ائرکنڈیشنڈ لگے ہوئے ہیں۔ یہ حال اور یہ جذبہ شوق صرف مسجدوں تک ہی محدود نہیں جس شہر میں کبھی ایک یا دو ایسے اللہ کے برگزیدہ بندے ہوا کرتے تھے جن کی قبریں مرجع خلائق ہوتی تھیں ان پر عقیدت مندوں نے مزار تعمیر کیے ہوئے تھے، اب ان میں اس قدر اضافہ ہوا ہے کہ آپ کو ہر دوسرے موڑ پر ایک گنبد ایسا نظر آ جائے گا اور شہر میں کسی نہ کسی عرس کے اشتہار بلکہ رکشوں پر فلیکس ضرور دکھائی دیں گے۔

آپ اگر کسی بھی شہر میں ایسی تقریبات جن میں عرس محافل میلاد محافل نعت کی فہرست مرتب کریں تو یہ آپ کے لیے ممکن ہی نہیں ہوگا کہ سب کی سب میں شرکت کر سکیں۔ نعت خوانوں کی قدر و منزلت اور عزت افزائی کا یہ عالم ہے کہ لوگ ان کو ثنا خواں مصطفیٰؐ سمجھتے ہوئے ان پر دولت نچھاور کر رہے ہوتے ہیں۔

اہل بیت رسول ﷺ کے محبت کے مظاہرے بھی اب روز بروز بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ ان کی تعداد میں ہی اضافہ نہیں ہوا ہے بلکہ ان میں شرکت کرنے والوں میں بھی اور اسے منانے کی شدت بھی دن بدن بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ شہر بھر میں صرف دسویں محرم کا جلوس عزاداری نکلتا تھا، جسے پورا شہر دورویہ کھڑے ہو کر اور عورتیں بچے چھتوں سے دیکھا کرتے تھے۔ باقی جلوس بڑے شہروں میں ہی ہوا کرتے۔ لیکن اب تو ہر بستی اور قریے میں غم حسینؓ بھی منایا جاتا ہے اور شہادت علیؓ کے جلوس میں بھی آنکھیں آنسوؤں سے تر کی جاتی ہیں اور سینہ غم گساری میں ماتم کناں۔ یہی حال مجالس کا ہے آپ ان کی فہرست مرتب کریں تو آپ کو کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی حوالے سے کوئی مجلس ضرور میسر آ جائے گی جہاں آپ اہل بیت رسول ﷺ سے اپنی محبت اور مودت کا اظہار کرنے کے لیے جا سکتے ہیں۔ ان لوگوں کی تعداد میں بھی ان سالوں میں کثیر اضافہ ہوا ہے جو گلیوں بازاروں اور محلوں میں گھوم پھر کے لوگوں کو دین کی اصل اساس کی طرف لوٹنے کی تبلیغ کرتے ہیں۔

ایک زمانہ تھا اکا دکا جماعت کبھی کبھار کسی محلے کی مسجد میں پڑاؤ ڈالتی اور لوگوں کو مغرب کی نماز کے بعد ایک ایسے بیان کی طرف دعوت دیتی جس میں دنیا و آخرت کا نفع اور بھلائی ہو۔ آج آپ کو یہ روزمرہ کا معمول نظر آتا ہے۔ کبھی صرف ایک مقام پر سالانہ اجتماع ہوتا تھا اب ایسے کئی سالانہ اجتماع ملک کے ہر شہر میں نظر آتے ہیں۔ تحمل اور بردباری کا نمونہ یہ لوگ اب اپنی لگن میں تیز اور تعداد میں زیادہ بلکہ کہیں زیادہ نظر آتے ہیں۔

بلکہ پہلے تبلیغ صرف ایک مسلک تک محدود تھی اب یہ راستہ دوسرے مسالک نے بھی اختیار کر لیا ہے اور ان کے بھی اجتماع ہوتے ہیں اور وفود اور جماعتیں گلی گلی کوچہ کوچہ نکلتی ہیں۔ سنت رسول ﷺ پر عمل کرنے کے دلنشین منظر عماموں مسواکوں خوشبوؤں اور داڑھیوں کی تراش خراش سب کچھ اب زیادہ تعداد میں نظر آتے ہیں۔

لوگوں کا مذہب کے ساتھ جذبہ شوق و عقیدت دیکھتے ہوئے دنیا بھر کی کمپنیاں اپنا مال بیچنے آ پہنچتی ہیں۔ ایک رنگا رنگی اور گہما گہمی ہے۔ عقیدتوں کے پھول نچھاور ہو رہے ہیں۔ علماء مذہبی مسائل پر سیر حاصل گفتگو کر رہے ہیں۔ طرح طرح کے پکوان پک رہے ہیں۔ ایک پر کیف فضا ہے جس میں کمپنیوں کے تحائف کی بھی تقسیم ہو رہے ہیں۔ اشتہارات والے وہیں آتے ہیں جہاں کشش محسوس ہو اور پورے سال میں سب سے زیادہ مال رمضان کی نشریات پر لگایا جاتا ہے۔ سب سے زیادہ اور بڑی اشتہاری مہم رمضان کی نشریات میں چلائی جاتی ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ لوگ ان نشریات کو دیکھتے اور ان میں دلچسپی لیتے ہیں، ورنہ کون بے وقوف ہے جو اپنا سرمایہ ان نشریات پر صرف کرے۔

اس ساری رنگا رنگی اور گہما گہمی کے باوجود مذہب اور دین سے لگاؤ کے ان عملی مظاہر کے باوصف مساجد کی بہتات، تزئین، محافل و مجالس کی کثرت اور لوگوں کی دین کے ساتھ وابستگی میں اضافے کے باوجود اس امت پر ادبار کی کالی گھٹا چھائی ہے۔ ذلت و رسوائی اس کا مقدر ہے۔ جو چاہتا ہے گزرتے گزرتے دو میزائل داغ جاتا ہے چند لوگوں کو قتل کر جاتا ہے۔ ایک تماش گاہ ہیں ہم لوگ، ایک کھیل ہیں کہ ہر کسی کو ہمارے ساتھ کھیلنے میں لذت ملتی ہے۔ کچھ دن ہم نے اس پر چیخ و پکار کی لیکن اب ہماری بے حسی بھی عروج پر ہے۔ امت مسلمہ میں چودہ سو سالوں میں کبھی اتنی بے حسی نہیں تھی جتنی آج ہے۔

کیا کبھی ایسا ہوا کہ اس امت کے ایک علاقے میں ظلم و بربریت کے پہاڑ توڑے جا رہے ہوں اور دوسری جانب لوگوں کے روزمرہ معمولات تو دور کی بات عیش و عشرت اور رنگا رنگی میں بھی فرق نہ آئے۔ کہا جاتا ہے امت مسلمہ کہاں ہے۔ اب تو سب کو اپنے اپنے ملک کی پروا کرنا چاہیے۔ کیا ہم اپنے ملک میں ہی سہی۔ کسی دوسرے انسان پر ظلم کی پروا کرتے ہیں۔ غزہ میں شہید ہونے والے معصوم بچے اور عورتیں تو بہت دور ہیں۔ کراچی، لاہور، کوئٹہ اور پشاور میں کسی بھی حادثے میں مرنے والوں کے سوگ میں صرف اس کے عزیز و اقارب ہی اشک کناں ہوتے ہیں۔

ہر قوم قبیلے اور مسلک کے لوگ اپنے مرنے والوں کا ماتم کرتے ہیں، اپنی مظلومیت پر نوحہ کرتے ہیں۔ امت مسلمہ کا نوحہ پڑھنا تو اب دور کی بات ہے، اب آپ ان ریاستوں میں جو مغرب نے سو سال پہلے تخلیق کی تھیں قومیت کے حوالے سے دکھ کا اظہار بھی نظر نہیں آئے گا۔ کیا شام میں علوی کسی سنی یا شیعہ کی موت کو اپنا دکھ سمجھتا ہے؟ کیا عراق، مصر، لیبیا، سعودی عرب کسی ایک ملک میں بھی صرف قوم کے نام پر ہی سہی ہمارے درد مشترک ہیں؟ ہماری حالت عرب کے ان بدوؤں کی طرح ہے جو

زمانۂ جاہلیت میں قوم قبیلے اور برادری میں تقسیم تھے۔ بس ہم نے اس میں مسلک کا بھی اضافہ کر دیا ہے۔

امت مسلمہ کا نوحہ پڑھنا اب صرف چند دقیانوسی اور فرسودہ نوحہ گروں کا مقدر رہ گیا ہے۔ ایسا کیوں ہے۔ جس قدر دین سے محبت کے مظاہر میں اضافہ ہوا ہے ہماری ذلت و رسوائی میں بھی اتنا ہی اضافہ ہوا ہے۔ شاید اس لیے کہ ہم جس کو دین سمجھ کر اپنی پوری زندگی اس سے وابستہ کر لیتے ہیں وہ کل دین نہیں بلکہ اس کا ایک چھوٹا سا حصہ ہے۔ پوری عمارت الحاد کی اینٹوں اور سود کی معیشت سے استوار ہو، اس کی بنیادوں میں قوم پرستی، باطل اور طاغوت سے محبت کا گارا اور سیمنٹ لگا ہو تو اس کی آرائش اور اس پر چھڑکی جانے والی خوشبو اس کے اندر کی بدبو نہیں مٹا سکتی۔ ہم ایک سڑاند زدہ بدبودار معاشرہ بن چکے ہیں۔ ایسے معاشرے اسی طرح ذلیل و رسوا ہوتے ہیں۔

رات بھر کھڑے عبادتوں میں ہم مظلوم کی مدد اور ان کے حق میں جہاد کی آیتیں پڑھتے ہیں، لیکن ہمارے قدم ان کی مدد کو نہیں اٹھتے۔ ہم اس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قیامت کے روز شفاعت کے طلبگار ہوں گے جس کی امت کو ہم نے رنگ، نسل، زبان، علاقہ اور مسلک کے نام پر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ رمضان کی راتوں اور آخری عشرے کی عبادات میں ہم بخشش اور شفاعت کے طلبگار ہیں۔ لیکن قرآن میں اللہ فرماتا ہے کہ روز قیامت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے خلاف ایک مقدمہ تیار کر رکھا ہے۔ سورۂ فرقان میں اللہ قیامت کے دن کی منظر کشی کرتے ہوئے آخر میں فرماتا ہے اور رسول کہیں گے "اے میرے رب یہ ہے میری قوم جو اس قرآن کو نشانۂ تضحیک بنا کر چھوڑ بیٹھی تھی" (الفرقان:30)

کیا ہم نے قرآن کو چھوڑ نہیں دیا؟ اپنے سیاسی، معاشی، ثقافتی، خاندانی اور معاشرتی نظام پر ایک نگاہ ڈال لیں اور پھر قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کے طلبگار رسول اللہ ﷺ کا سامنا کرنے کے لیے بھی تیار رہیں۔ کون ہے جو سامنا کر سکتا ہو۔ سوچتا ہوں تو کانپ اٹھتا ہوں۔

ہم نے قرآن کو آسان کیا ہے نصیحت حاصل کرنے کے لئے، پس ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا (القرآن)

ایک سالہ قرآن فہمی کورس

مضامین

- عربی گرامر
- قرآن حکیم کی فکری و عملی رہنمائی (مطالعہ قرآن کا منتخب نصاب)
- دورہ ترجمہ قرآن (مکمل)
- تجوید القرآن
- ترجمہ قرآن مع صرفی ونحوی تحلیل
- اصلاحات و مطالعہ حدیث
- سیرت النبی ﷺ
- عقیدہ و فقہ
- مطالعہ لٹریچر
- خصوصی محاضرات

آغاز: 11 اگست 2014، دورانیہ 10 ماہ

تدریسی وقت: روزانہ 3:30 گھنٹے

ہفتے میں پانچ دن پیر تا جمعہ

اوقات: شام 5:45 تا 9:35

مقامات: یہ کورس قرآن اکیڈمی اسلام آباد کے درج ذیل تینوں کیمپسز میں ہوگا۔ ان شاء اللہ

بلیو ایریا کیمپس	گلزار قائد کیمپس	گلریز کیمپس
ہال نمبر 21، تھرڈ فلور، بل ویو پلازہ، جناح ایونیو، بلیو ایریا، اسلام آباد	(بیسمنٹ) جامع مسجد گلزار قائد، بالمقابل قائداعظم پارک، راولپنڈی	مکان نمبر 248، گلی نمبر 5، گلریز 2، نزد بحریہ ٹاؤن گیٹ، راولپنڈی
رابطہ نمبر: 051-2605725 0345-8513060	رابطہ نمبر: 051-2509178 0321-9554556	رابطہ نمبر: 0321-5044480 0321-5006192

کسی بھی قسم کی تفصیلات کے لیے رابطہ کریں۔

ڈپٹی ڈائریکٹر اکیڈمکس: 0347-5886887

www.QAislamabad.com

دعائے مغفرت کی اپیل

☆ مرکزی نائب ناظم نشر و اشاعت و رفیق نیو کراچی تنظیم محمد سمیع صاحب کے بہنوئی رحلت فرما گئے۔

☆ مقامی تنظیم فیصل آباد غربی کے نقیب اسرہ امتیاز احمد واہلہ کی پھوپھی جان انتقال کر گئیں۔

☆ مقامی تنظیم فیصل آباد غربی کے ناظم تربیت ڈاکٹر نعیم الرحمٰن کے خالو جان کا انتقال ہو گیا۔

☆ مقامی تنظیم فیصل آباد شرقی کے رفیق محمد آصف ندیم کی تائی جان انتقال کر گئیں۔

☆ منفرد مبتدی رفیق (پنوعاقل) حلقہ سکھر مولوی محمد اسماعیل انڈھڑ انتقال کر گئے۔

☆ تنظیم اسلامی کوئٹہ کے بزرگ رفیق ابوالحسن قریشی قضائے الٰہی سے وفات پا گئے۔

☆ تنظیم اسلامی پشاور شہر کے ملتزم رفیق عمران علی اعوان کے چچا وفات پا گئے۔

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ قارئین سے بھی مرحومین کے لیے دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَھُمْ وَارْحَمْھُمْ وَاَدْخِلْھُمْ فِیْ رَحْمَتِكَ وَحَاسِبْھُمْ حِسَابًا یَّسِیْرًا

تنظیم اسلامی کا پیغام
نظام خلافت کا قیام

اسرائیلی بربریت اور مسلمان حکمران

خلافت فورم میں فکر انگیز مذاکرہ

مہمانانِ گرامی: ایوب بیگ مرزا (ناظم نشر و اشاعت تنظیم اسلامی)
آصف حمید (میڈیا انچارج مرکزی انجمن خدام القرآن)

میزبان: وسیم احمد
مرتب: فرقان دانش

سوال: فلسطین میں مسلمانوں اور یہودیوں کی کشمکش کی اساس ہے کیا اور یہ جھگڑا کب سے شروع ہوا؟

ایوب بیگ مرزا: یہودیوں کا شروع سے ہی وتیرہ رہا ہے کہ کسی نہ کسی سپر پاور کے ساتھ منسلک ہو کر اپنے دشمنوں کو ٹارگٹ کرتے ہیں۔ میں زیادہ پیچھے نہیں جاؤں گا۔ ایک وقت تھا جب عیسائی بیت المقدس پر قابض تھے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں بیت المقدس فتح ہوا۔ عیسائیوں نے بیت المقدس کی چابیاں دیتے وقت حضرت عمرؓ سے جو معاہدہ کیا تھا اُس میں ایک شرط یہ بھی لگائی تھی کہ آپ فلسطین میں کسی یہودی کو سکونت کی اجازت نہیں دیں گے۔ ہاں ان کو اِس کی اجازت ہوگی کہ وہ یہاں آکر عبادت کریں، مگر پھر واپس چلے جائیں۔ وہ یہاں پر ٹھہریں گے نہیں۔ بہر حال اس وقت سے یہ سلسلہ اس طرح چل رہا تھا۔ طارق بن زیاد نے ہسپانیہ کو فتح کیا تو یہودیوں نے اِس فتح میں مسلمانوں کی مدد کی تھی۔ بہر حال یہودی ہر وقت تاک میں رہتے ہیں اور وقت کی سپر پاور کے ساتھ اپنے آپ کو منسلک کر لیتے ہیں۔ لیکن پھر اُس کے خلاف بھی سازش کرتے رہتے ہیں۔ ہسپانیہ بعد میں مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکلا تو یہ بھی یہودیوں کی سازش کی وجہ سے ہوا تھا۔ یہ ان کا طریقہ واردات رہا ہے۔ جہاں تک مسلمانوں اور صیہونیوں کی موجودہ کشمکش کا تعلق ہے اُس کا آغاز 1917ء میں بالفور ڈیکلریشن ہوا، جس کے تحت عیسائیوں کے ساتھ خلیفہ ثانیؓ کے تاریخی معاہدے کے برعکس یہودیوں کو فلسطین میں آباد ہونے کی اجازت دے دی گئی۔ ان کو یہ اجازت حکومت برطانیہ نے دی۔ اس بارے میں انگریز رکن پارلیمنٹ جارج گیلوے نے (جن کے بارے میں معلوم ہوا کہ مسلمان ہوگئے) ایک بہت عظیم بات کہی ہے۔ ان کا کہنا تھا ''بڑی عجیب بات ہے کہ ایک زمین ایک ایسی قوت کو دے دی گئی جس سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور وہ وہاں کے رہنے والوں سے چھین کر دے دی گئی۔'' اس بات پر جارج گیلوے پر حملے بھی ہوئے تھے۔ اُن کا ایک مکالمہ بھی اسرائیل کے وزیر خارجہ کے ساتھ ہوا تھا۔ جارج گیلوے نے اسے بالکل کارنر کر دیا تھا اور اس پر واضح کر دیا تھا کہ تمہارا اس زمین پر کوئی حق نہیں ہے۔ 1917ء میں بالفور کا معاہدہ انگریز کی بدنیتی اور زیادتی کی وجہ سے ہوا۔ اِسی کی بنیاد پر 1948ء میں سرزمین فلسطین پر اسرائیل کے نام سے یہودی ریاست قائم ہوئی اور دنیا کے مختلف ممالک سے یہودی آ کر وہاں آباد ہوئے۔ یہودیوں نے پہلے روز سے وہاں اپنی آبادی میں اضافہ کرنا شروع کیا اور فلسطینیوں کو وہاں سے بے دخل کرتے گئے۔ شروع میں تو عرب ان کے خلاف ڈٹے رہے۔ اُس وقت تو یہودیوں کی فلسطین میں پاؤں جمانے میں برطانیہ نے مدد کی، بعد میں امریکا نے بھی اُن کی پشت پناہی شروع کر دی۔ یہودیوں نے یورپ اور امریکا کی مدد سے وہاں قدم جمائے۔ قائد اعظم نے اسرائیل کے بارے میں بالکل درست کہا تھا کہ ''اسرائیل مغرب (یورپ اور امریکا) کا ناجائز بچہ ہے۔'' ہم دیکھتے ہیں کہ یہ جو دنیا میں ناجائز ریاستیں ہیں، یہ دنیا کے امن و امان کو بری طرح تباہ کر دیتی ہیں۔ ہٹلر نے یہودیوں سے جو معاملہ کیا تھا اس کے بعد اُس نے بتایا تھا کہ میں نے کچھ یہودیوں کو چھوڑ دیا ہے، تاکہ ان کی شرارتوں سے لوگوں کو پتا چل سکے کہ میں نے یہودیوں کو کیوں مارا تھا۔ آج واقعی دنیا کو پتا چل رہا ہے کہ اس نے انھیں صحیح مارا تھا۔

سوال: شام اور عراق میں لڑنے والوں کی پشت پناہی کرنے والی عرب حکومتوں کو فلسطینی بچوں پر ہونے والا ظلم کیوں نظر نہیں آتا؟ عرب ممالک صیہونی مظالم کے خلاف آواز کیوں نہیں اٹھاتے؟

آصف حمید: سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ عرب یہ جو پراکسی وار لڑ رہے ہیں اس کا محرک کیا ہے؟ شام اور عراق میں جو لڑائی ہو رہی ہیں اُس میں بظاہر نظر آتا ہے کہ یہ کسی بڑی طاقت کے ایما پر ہو رہی ہے۔ اس میں اسلام کی خدمت یا جہاد فی سبیل اللہ کم سے کم ان حکومتوں کے پیش نظر نہیں ہے۔ اگر ان کے پیش نظر ایسا ہوتا تو یہ پہلے اپنے حالات ٹھیک کرتیں۔ یہ حکومتیں یہ سب کچھ کسی اور کے کہنے پر کر رہی ہیں۔ انہیں ذاتی بادشاہت کی تحفظ مطلوب ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ عرب حکومتیں امریکا کی سپورٹ کے بغیر کھڑی نہیں ہوسکتیں۔ جب عراق نے کویت پر حملہ کیا تھا تو سعودی عرب امریکا کے ساتھ کھڑا تھا۔ یہ عرب ریاستیں جو امریکا کے سہارے پر کھڑی ہیں کبھی فلسطینیوں کے حق میں نہیں بول سکتیں۔ امریکا اسرائیل کے حق میں ہے تو یہ عرب ریاستیں فلسطینیوں کے حق میں کیوں آواز اُٹھائیں گی۔ لہٰذا وہ چپ ہیں۔ البتہ عرب مسلمان عوام تڑپ رہے ہیں۔ وہ اپنے تئیں اپنے مظلوم بھائیوں کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ مسلم حکومتیں اگر امریکا کے اثر سے نکل کر باہم مل جائیں تو پھر وہ اسرائیل اور اُس کے سرپرستوں پر پریشر ڈال سکتے ہیں۔ اُمت مسلمہ اب کہاں ایک ہے۔ امت مسلمہ تو ہے ہی نہیں۔ یہ صرف مسلمان ممالک ہیں جو اپنے اپنے اقتداری مقاصد کے تحت امریکا، روس یا برطانیہ کے سامنے سجدہ ریز ہیں۔ لہٰذا ہم یہ امید کیسے رکھ سکتے ہیں کہ وہ امت مسلمہ کے مظلوموں کے حق میں صدا بلند کریں گے۔

سوال: اسرائیلی یہودی ایک عرصہ سے فلسطینی مسلمانوں پر مظالم ڈھا رہے ہیں۔ یہ بتائیے، آخر یہودی فلسطینی مسلمانوں کے مسلسل خون خرابے سے چاہتا کیا ہے؟

ایوب بیگ مرزا: یہودی ذہن میں سازش کا عنصر بہت زیادہ ہے۔ اس کے ساتھ وہ اپنے آپ کو قائم رکھنے کے لیے بہت محنت و مشقت بھی کرتے ہیں۔ وہ اپنے ملک اور نسل کے ساتھ مخلص ہیں۔ انھوں نے عیارانہ انداز سے بہت محنت کی ہے اور اب ان کو باہر سے بھی سپورٹ ملتی ہے۔ لہٰذا وہ دنیا والوں پر حاوی ہوگئے ہیں۔ اسرائیل میں ہر یہودی کے لیے فوجی ٹریننگ حاصل کرنا لازم ہے۔ اُس کا شناختی کارڈ بنتا ہی نہیں جب تک وہ فوجی ٹریننگ نہ لے لے، چاہے وہ کسی بھی شعبہ سے تعلق رکھتا ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر کوئی یہودی کسی دوکان پر سیل مین ہے اور جنگ

کا الارم بج جائے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے کہاں پہنچنا ہے۔ اس معاملے میں ہمیں ان کی تعریف کرنی چاہیے کہ وہ اپنی بقا وسلامتی کے لیے بہت کچھ کرتے ہیں۔ یہ تو ان کا نجی سطح پر معاملہ ہے۔ ریاستی سطح پر بھی میں ان کی مثال دے دوں، وہ ہر وقت جنگ کے لیے تیار رہتے ہیں۔ اس قوم کا مقابلہ کرنا یقیناً بہت مشکل ہو جاتا ہے جو ہر وقت جنگ کے لیے تیار رہے۔ انھوں نے ریاستی سطح پر اپنی تمام تر توجہ اپنی ریاست کے دفاع پر مرکوز رکھی ہوئی ہے۔ ایک بہت مشہور واقعہ ہے۔ گولڈا میئر اسرائیل کی وزیر اعظم تھی۔ اس نے امریکا سے جنگی اسلحہ کا ایک سودا کیا۔ یہ سودا اس نے کابینہ سے مشورہ کیے بغیر کر دیا۔ اس پر اسے کابینہ میں تنقید کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن اس نے ساری کابینہ کو راضی کر لیا۔ بعد میں کسی صحافی نے اس سے پوچھا کہ آپ نے کابینہ سے مشورہ کیے بغیر اتنا بڑا سودا کیوں کیا۔ اس کی بنیاد کیا تھی۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے اس معاملے میں مسلمانوں کے پیغمبر کو دیکھا۔ میں نے تاریخ میں پڑھا ہے کہ مسلمانوں کے پیغمبر جنہوں نے جزیرہ نمائے عرب میں فتوحات حاصل کی تھیں جب اس دنیا سے گئے تو گھر میں کھانے پینے کی چیزیں نہیں تھیں، لیکن دیواروں پر نو (9) تلواریں لٹک رہی تھیں۔ مجھے مسلمانوں کی ماضی کی قوت کا راز اسی بات میں نظر آتا ہے کہ وہ ہر وقت جنگ کے لیے تیار رہتے تھے۔ ہمارے لیے بھی یہی راستہ ہے کہ ہم ہمیشہ جنگ کے لیے تیار رہیں، پھر ہم بھی دنیا کو شکست دے دیں گے۔ گولڈا میئر کا یہ جواب آج کے مسلمانوں کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔ 1967ء کی جنگ میں عربوں کو بہت عبرتناک شکست ہوئی، البتہ 1974ء کی جنگ کا معاملہ مختلف ہے۔ اس جنگ کا آغاز مصر نے کیا تھا۔ مصریوں نے یہ کمال کیا تھا کہ انھوں نے امریکی انٹیلی جنس کو بھی دھوکا دے کر دریا پار کر کے رات کو اسرائیل پر حملہ کر دیا، جس سے اسرائیل کی شکست یقینی ہوگئی تھی۔ اسی شکست کی وجہ سے اسرائیل کی وزیر اعظم گولڈا میئر نے خودکشی کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ان حالات میں درمیان میں امریکا آ گیا اور اس نے واشنگٹن سے تل ابیب تک جہازوں کا پل بنا کر اسلحہ اُتارا، جس کی وجہ سے جنگ کا نقشہ بدل گیا۔ اس صورتحال پر مصری صدر انور السادات نے کہا تھا کہ وہ اسرائیل سے جنگ کر سکتا ہے، امریکا سے نہیں کر سکتا۔ اُس کے بعد مصر نے یوٹرن لیا اور روس کی بجائے اس نے امریکا سے اپنے تعلقات بنائے۔ اس وقت سے مصر اسرائیل کے خلاف کوئی قدم اُٹھانے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ مصر کے موجودہ جنرل السیسی کی حکومت تو باقاعدہ یہودیوں کی پشت پناہی سے بنی ہے۔ لہٰذا اس وقت تو مصر کی مخالفت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس وقت غزہ میں جہاں اسرائیل بمباری کر رہا ہے وہاں مصر، اردن، لبنان مدد کر سکتے ہیں لیکن وہ تو زبان سے مذمت تک نہیں کر سکے، عملی مدد کیا کریں گے؟

سوال : ایک عام مسلمان میڈیا کے ذریعے فلسطینیوں پر ہونے والے مظالم کی خبریں سن کر کڑھنے یا اسرائیلی جارحیت کے خلاف یوم سیاہ منانے یا اسرائیل کی مذمت کے لیے نکالی گئی کسی ریلی میں شرکت کرنے کے سوا کیا کر سکتا ہے؟

آصف حمید : جس وقت غزہ پر حملہ ہوا پوری دنیا پر فیفا ورلڈ کپ کا بخار تھا۔ چنانچہ اسرائیل نے جو کچھ بھی کیا اس کا کسی نے نوٹس نہیں لیا۔ ہاں، پھر جب سوشل میڈیا پر کچھ خبریں آئیں تو چینلز کو بھی شرم آئی ہے۔ ورنہ ہر طرف فیفا ورلڈ کپ کا نام تھا۔ اس صورت حال میں امت مسلمہ کے ہر فرد کو دیکھنا ہے کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ سب سے پہلے اسرائیل کے اس فعل کی شدید مذمت کرنی چاہیے اور اس مذمت کو پھیلانا چاہیے۔ دوسرے یہ کہ کم از کم ان چیزوں کا بائیکاٹ کیا جائے جو امریکا یا اسرائیل کو کسی طور پر منفعت پہنچا سکتی ہوں۔ یعنی ہم ان کی مصنوعات کا استعمال ترک کر دیں۔ تیسرے ہر مسلمان اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے دعا کرے اور اپنے حکمرانوں سے مطالبہ کرے کہ وہ جیسے بھی ہو اپنے فلسطینی بھائیوں کی مدد کریں۔ چوتھے یہ کہ اس حوالے سے کوئی ریلی نکلتی ہے یا کوئی اور کام ہوتا ہے تو وہ اس میں شامل ہو۔ ایک اور بات بھی قابل توجہ ہے۔ فلسطینیوں کے معاملے میں ہمیں ضرور کڑھنا چاہیے۔ بلاشبہ غزہ میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ درندگی کی انتہا ہے۔ معصوم بچے تک شہید ہو رہے ہیں۔ مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں اس سے بھی زیادہ بچے ڈرون حملوں میں مارے گئے ہیں۔ اس وقت سوشل میڈیا کہاں تھا؟ اُمت مسلمہ کہاں تھی؟ جو بچے اور جوان ڈرون سے مرتے ہیں وہ بھی تو مسلمان ہیں۔ مگر افسوس کہ ہمارے ہاں اِن حملوں میں شہید ہونے والے بچوں کی شہادت پر نہ تو کبھی سوشل میڈیا متحرک ہوا اور نہ حکومت نے اپنی ذمہ داری ادا کی۔ دراصل امت مسلمہ کو لہو ولعب میں ڈال دیا گیا ہے۔ لہٰذا جب کوئی شخص اس طرح کی خبر سنتا ہے تو اس پر کوئی اثر ہی نہیں ہوتا۔ بہرحال ان حالات میں میں نے جو باتیں بتائی ہیں ضرورت اس بات کی ہے کہ ان پر ہر مسلمان عمل کرے۔ سب سے بڑھ کر مسلمان وہ نظام لانے کی کوشش کریں جو خلافتِ راشدہ کے طریق پر استوار ہو، جو امت مسلمہ کے دفاع کی ضمانت دے۔ ہم اہل پاکستان کو وطن عزیز کو خلافت کے لئے نقطہ آغاز بنانا چاہیے۔ یہاں اسلامی نظام لانے کی مربوط کوشش کرنی چاہیے۔ ہمارے پاس بے شمار وسائل ہیں، جنگی قوت ہے، ایٹمی صلاحیت ہے۔ اگر ہم اپنے اصل نظریے پر آ جائیں تو دوسرے مظلوم ممالک کی حفاظت کی بھی صلاحیت رکھتے ہیں۔

سوال : بیگ صاحب! اس وقت کرۂ ارض پر 58 اسلامی ممالک موجود ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ ان کے حکمران اسرائیل کے مظالم کی مذمت تک نہیں کرتے؟

ایوب بیگ مرزا : علامہ اقبال نے 100 سال پہلے کہا تھا ''ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات!'' ہمارا اصل جرم کمزوری ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہم امریکا کے خلاف نہیں لڑ سکتے۔ سوال یہ ہے کہ کیا جنگ کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے کہ ان کو روکا جا سکے؟ اگر صرف عرب ممالک ہی یہ طے کر لیں کہ وہ امریکا، اسرائیل کی مصنوعات کا بائیکاٹ کرتے ہیں اور اپنے تیل کو بطور ہتھیار استعمال کریں تو کسی جنگ کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر آپ کسی سے یہ کہہ دیں کہ ہم تم سے جنگ نہیں کرتے لیکن تجارتی اور سفارتی تعلقات ختم کر رہے ہیں، تو کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ تم نے ہم سے تجارتی اور سفارتی تعلقات کیوں ختم کیے، اب ہمارے حملے کے لئے تیار رہو۔ امت مسلمہ اگر آج بھی ایک ہو جائے تو اسے کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ تمام مسلمان جسدِ واحد کی طرح ہیں، جس کے ایک حصے میں اگر کوئی تکلیف ہو تو سارے جسم میں تکلیف ہوتی ہے۔ آج دیکھا جائے تو عالم کفر ایک جسد بن چکا ہے۔ ابھی بچوں کی بات ہو رہی تھی۔ میں آپ کو ایک ریکارڈ کی بات بتا دوں، پچھلے 14 سال میں پندرہ ہزار بچے اسرائیل نے شہید کیے۔ یورپ جو بچوں کے معاملے میں بڑا حساس ہے، اسے یہ مظالم کیوں نظر نہیں آتے۔ یورپ ملالہ کے لیے مرا جاتا ہے، لیکن اتنی ہلاکتیں اسے نظر نہیں آتیں۔ امریکا و یورپ کی بات چھوڑیں، معصوم بچوں کی لاشیں دیکھ کر ہمارے حکمرانوں کے ماتھے پر بھی شکن تک نہیں آئی۔ کیونکہ یہ امریکا کے بے دام غلام ہیں۔ وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم ملتا ہے۔ پہلے انہیں حکم تھا کہ تم ظلم و بربریت پر چیخ و پکار کر سکتے ہو تو وہ چیخ و پکار کرتے تھے، اب انہیں حکم ہے کہ تم چیخ و پکار بھی نہیں کر سکتے۔ اب تمہیں مذمت کرنے کی بھی

اجازت نہیں ہے۔ ترکی واحد ملک ہے جس نے بڑا دھمکی آمیز پیغام اسرائیل کو بھیجا، لیکن وہ خود نیٹو کا رکن ہے، لہٰذا اس کی دھمکی کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

سوال : غزہ کے ایشو پر قومی اور بین الاقوامی میڈیا کے کردار کو آپ کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

آصف حمید : ایک بات ذہن میں رکھیے، اگر ہم گلوبل میڈیا کی بات کرتے ہیں تو وہ بھی یہودیوں کے ہاتھوں میں ہے۔ جب یہ غزہ والا معاملہ ہوا تو اس وقت سب سے زیادہ کوریج فٹ بال ورلڈ کپ کو دی جا رہی تھی۔ فٹ بال کی خبر اور غزہ کی خبر میں کوئی موازنہ ہی نہیں ہے۔ سوشل میڈیا پر جب کوئی چیز چلنی شروع ہوتی ہے تو ہمارے مقامی میڈیا کو عقل آتی ہے۔ وہ جب سوشل میڈیا پر دیکھتے ہیں کہ یہ چیز بار بار آ رہی ہے تو پھر ریٹنگ کے چکر میں اسے لے لیتے ہیں۔ وہ لوگوں کا ٹرینڈ دیکھتے ہیں کہ وہ کیا سننا چاہتے ہیں۔ یہ کوئی امت مسلمہ سے ہمدردی والا معاملہ نہیں۔ ہم غیروں کے میڈیا سے کیا شکوہ کریں، اسرائیل میں بم پھٹ جائے تو پورا عالمی میڈیا ایک ایک بچے کی فوٹیج دکھا رہا ہوتا ہے، لیکن یہاں پر اتنے بچے شہید ہو گئے ہیں، صرف چند ایک کی تصویر ہی جاری ہوئی ہے۔ وہ بھی زیادہ سے زیادہ سوشل میڈیا کے ذریعہ ہم تک آ رہی ہیں۔ لوکل میڈیا نے بھی اسرائیل کی بہت کم مذمت کی ہے۔ باقی کسی چینل نے بھی یہ نہیں کہا کہ یہ مسئلہ ہو گیا ہے، آ ؤ اس پر بحث کرو کہ امت مسلمہ کو کیا کرنا چاہیے۔ رو دھو کر اور اسرائیل کو برا بھلا کہہ کر میڈیا بھی خاموش ہو جاتا ہے۔ میڈیا اُن کی چیزوں کے بائیکاٹ کا اعلان کرے تو پتا چلے۔ بائیکاٹ کا اعلان اس لیے نہیں کرتا کیونکہ انہی کی ملٹی نیشنل کمپنیوں کے اشتہار دے رہا ہوتا ہے۔ اس معاملے میں میڈیا میں انتہائی سفاکی ہے۔ چاہے وہ لوکل میڈیا ہو یا انٹرنیشنل میڈیا، ان کے اپنے اغراض و مقاصد ہیں۔ خبریں وہ اس لیے دکھاتے ہیں تاکہ لوگ دیکھیں، کہ دیکھنے سے اُن کی ریٹنگ بڑھے گی اور انہیں اشتہارات ملیں گے۔ یہ اشتہارات وہی ملٹی نیشنل کمپنیز دے رہی ہیں جن کے پیچھے یہودی بیٹھے ہوئے ہیں۔ سیدھی سی بات ہے ؏ ”فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے“۔ انھوں نے اپنا ایک مستحکم نظام بنایا ہوا ہے۔ یہودیوں نے اس معاملے میں بڑی محنت کی ہے۔ وہ تو ہمارے بارے میں بھی سٹڈی کرتے ہیں۔ اسلام کے غلبے کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ نے کی جو احادیث آئی ہیں، وہ ان کو خوب جانتے ہیں۔ ان کو کاؤنٹر کرنے کے لیے وہ پوری منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔ حضور ﷺ کی حدیث ہے کہ اگر تم میں حیا نہ رہے تو تم جو چاہے کرو۔ ان کو پتا ہے کہ اگر مسلمانوں کے اندر سے جہاد کو ختم کرنا ہے تو ان کو بے حیا کر دینا ضروری ہے۔

ایوب بیگ مرزا: اب یہ جو غزہ میں بمباری ہو رہی ہے اس میں بھی میڈیا کا ایک رول ہے۔ اس میں میڈیا نے کہانی بنائی ہے کہ فلسطینی تین اسرائیلی فوجیوں کو پکڑ کر لے گئے تھے۔ یعنی انھیں اغوا کر لیا اور بعد میں انھیں قتل کر دیا۔ میڈیا نے یہ بھونڈی وجہ ظاہر کی ہے کہ اسرائیل اس وجہ سے بمباری کر رہا ہے۔ یورپ اور امریکا یہ بیان دے رہے ہیں کہ بہرحال اسرائیل نے اپنی حفاظت تو کرنی ہے۔ بعد میں یہ بات غلط ثابت ہوئی کہ تین اسرائیلی اغوا ہوئے۔ اصل میں اسرائیل فلسطینیوں کی نسل کشی کے لیے یہ بربریت کرتا ہے۔ اس نے اِس سے پہلے 2012ء میں بھی یہی کام کیا ہوا تھا، اب دو سال کا وقفہ کر کے یہی اقدام کیا۔ اصل واقعہ یوں ہے کہ اسرائیل کے فوجی کچھ فلسطینیوں کو اُٹھا کر لے گئے تھے، جن میں سے ایک شہید کر دیا، اور دوسرا وہاں سے زخمی حالت میں بھاگ آیا۔ وہ فلسطینی امریکی شہریت رکھتا تھا۔ شاید اس کو چھوڑنے کی وجہ بھی یہی تھی۔ اس نے آ کر یہ انکشاف کیا کہ روزانہ واردات ہوتی ہے کہ ایک یا دو فلسطینی لڑکے غائب ہو جاتے ہیں اور بعد میں زخمی حالت میں ملتے ہیں یا ان کی لاشیں ملتی ہیں۔ اس نے اس بات کو انٹرنیٹ کے ذریعے پھیلایا تو لوگوں کو اس بات کا پتا چلا۔ اب اسرائیل جو حملے کر رہا ہے وہ اپنی اس شرمناک واردات کو چھپانے کے لیے کر رہا ہے۔ میڈیا نے اس بات کو اس طرح رنگ دے کر اس ظلم کے لیے باقاعدہ ایک جواز پیدا کیا ہے۔ میڈیا نے اس درندگی میں باقاعدہ کردار ادا کیا۔ وہ جان بوجھ کر یہ ظلم کرتے ہیں۔ وہ جان چکے ہیں کہ اب مسلمانوں میں غیرت نہیں رہی۔ ان کے ساتھ جو چاہے سلوک کرو، یہ کچھ نہیں کریں گے۔ ہماری یہ حالت دین سے دوری کا نتیجہ ہے۔ ہم محض نام کے مسلمان ہیں، عملی طور پر اسلام سے بہت دور جا چکے ہیں۔

سوال : شام اور عراق میں ISIS نے قیامِ خلافت کا اعلان کر دیا۔ اگر اس نظام خلافت میں کوئی حقیقت تھی تو کیا ابوبکر البغدادی کو فلسطینی بھائیوں کی مدد کے لیے اسرائیل کے خلاف میدان میں نہیں آنا چاہیے تھا؟

ایوب بیگ مرزا : جب ان کی طرف سے خلافت کا اعلان ہوا تو صاف بات ہے کہ ہمارے دل کی کلی کھل گئی۔ ہم نے بڑی خوشی کا اظہار کیا کہ کسی جگہ خلافت کا اعلان ہوا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہم صحیح راستے پر آئے ہیں۔ خلافت اگر صحیح معنوں میں قائم ہو جائے تو مسلمانوں کو ایک لڑی میں پرونے کے لیے کام کیا جا سکتا ہے۔ لیکن بعد میں اس حوالے سے جو چیزیں سامنے آئی ہیں، اُن سے انتہائی مایوسی ہوئی ہے۔ یہاں تک دکھایا گیا ہے کہ مساجد اور مزارات کو شہید کیا گیا ہے۔ امریکا اور روس میں ایڈورڈ سنوڈن کے معاملے میں تقریباً ایک سال سے چپقلش چل رہی ہے۔ ایڈورڈ سنوڈن امریکا سے بھاگ کر روس میں آیا اور وہاں پناہ لے لی۔ اس نے وہاں جا کر امریکا کے بہت سے راز کھولے ہیں کہ امریکا دنیا کے مختلف ممالک میں کس طرح درندگی کرتا ہے، کس طرح سازشیں کرتا ہے، کس طرح حکومتوں کے اندرونی معاملات کو ٹیپ کرتا ہے۔ اس نے یہ راز بھی کھولا ہے کہ عراق میں جس خلافت کا اعلان ہوا ہے، اسے موساد نے سپانسر کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ ان نظام خلافت والوں کا معاملہ بہت مشکوک ہے۔ بلکہ یہ پہلے ہی مشکوک تھا، اب بات واضح ہوتی جا رہی ہے کہ دراصل یہ سب کچھ اسلام دشمنی میں کیا جا رہا ہے۔ عراق کے حصے بخرے کیے جا رہے ہیں۔ امریکیوں نے بغدادی کو خود جگہ بنا کر دی ہے، مگر آپ دیکھیں گے کہ بعد میں یہ انہی امریکیوں کے ہاتھوں مریں گے۔ امریکی پہلے کسی کو لانچ کرتے ہیں، پھر اُسے خود ہی مار دیتے ہیں۔ ہمارے مسلمان حکمرانوں کو یہ بات سمجھنی چاہیے۔ یہ حکمران تاریخ نہیں جانتے کہ اپنی قوم سے غداری کا انجام کیا ہوتا ہے۔ آج یہ امریکا کی وجہ سے اپنی قوم سے غداری کر رہے ہیں۔ کل وہی امریکا ان غداروں کو پھانسیوں پر لٹکائے گا، اور انھیں ذلیل و خوار کرے گا۔ مسلمان حکمران آج کے وقتی مفاد کے لیے اپنا اور مسلمانوں کا کل تباہ و برباد کر رہے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ وہ تمام مسلمان حکمران جو اسرائیل کے مظالم کے خلاف قدم اُٹھانے کے لیے تیار نہیں ہو رہے، وہ ملت کے غدار ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ جن تختوں کو سنبھالا دینے کے لیے امریکا کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں، امریکا کے ہاتھوں وہ ان سے چھن جائیں گے، وہی ان کے نیچے سے کرسی کھینچے گا اور انھیں دفن کر دے گا۔

(قارئین اس پروگرام کی ویڈیو تنظیم اسلامی کی آفیشل ویب سائیٹ www.tanzeem.org پر خلافت فورم کے عنوان سے دیکھی جا سکتی ہے۔)

اسرائیلی ریاست کا مستقبل؟

محمد نذیر یٰسین

پچھلے دنوں دوران سفر ایک ایسا نعرہ پڑھنے کو ملا جس میں اللہ کے جلیل القدر پیغمبر حضرت یعقوبؑ کی توہین کا پہلو موجود تھا۔ یہ نعرہ کچھ یوں تھا: ایک سے بڑھ کر ایک ذلیل، امریکا، بھارت، اسرائیل۔ ''اسرائیل'' حضرت یعقوبؑ کا لقب تھا اور اُنہی کے نام سے موجودہ صیہونی ریاست کو موسوم کیا گیا ہے۔ عبرانی زبان میں اسرائیل کا مفہوم بالکل وہی ہے جو عربی زبان میں لفظ عبداللہ کا ہے، لہٰذا ہر اُس لفظ کے غلط، بے جا اور اندھادھند استعمال سے گریز ضروری ہے جسے تقدس کا درجہ حاصل ہو۔

بلا شبہ امریکا، بھارت اور اسرائیل کی حکومتیں ایک طویل عرصہ سے ریاستی دہشت گردی کی مرتکب ہو رہی ہیں اور ان کے لئے فقط ''ذلیل'' کا لفظ ویسے بھی بہت ہلکا دکھائی دیتا ہے۔ مکافاتِ عمل کے اصول کی روشنی میں تو ان ریاستوں کی بداعمالیوں کا نتیجہ اُن کے زوال یا خاتمہ کی صورت میں ظاہر ہونا ہی ہے۔ اسرائیلی ریاست کے مستقبل کے متعلق قرآن و حدیث اور بائبل میں بعض لطیف اشارے بھی موجود ہیں، جبکہ اس ضمن میں یہودیوں کی اجتماعی نفسیات اور دوسری اقوام کے ساتھ ان کے تعلقات کار کا مطالعہ بھی بہت مفید رہے گا۔

اس وقت دنیا میں یہودیوں کی آبادی کا تخمینہ ڈیڑھ کروڑ ہے تو مسلمانوں کا ڈیڑھ ارب کے لگ بھگ۔ ایک حدیث نبوی کے مطابق بنی اسرائیل بہتر (72) فرقوں میں تھے اور اُمت مسلمہ تہتر (73) فرقوں میں تقسیم ہوگی۔ اس روایت کی رو سے مسلمانوں کی باہمی تقسیم (آبادی کے تناسب سے) یہودیوں کی باہمی تقسیم کے سامنے بالکل ہیچ دکھائی دیتی ہے، جو اُمت مسلمہ کے اُمت یہود سے افضل ہونے کی ایک علامت بھی کہی جا سکتی ہے۔ قرآن حکیم میں یہودیوں کے اس انتشار باہمی کی وجہ اُن کا باہمی بغض و عناد بیان کیا گیا ہے:

''اور ہم نے اُن (یہود) کے مابین قیامت تک کے لئے بغض و عناد ڈال دیا ہے۔ جب کبھی یہ جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں تو اللہ اسے بجھا ڈالتا ہے اور وہ زمین میں فساد مچانے کے لئے دوڑ دھوپ کرتے رہتے ہیں اور اللہ فساد برپا کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔'' (المائدہ:64)

معلوم ہوا کہ یہودی بنیادی طور پر ایک فتنہ و فساد پیدا کرنے والی اور جنگوں کی آگ بھڑکانے والی قوم ہے۔ اس بات کی بھرپور تائید اس قوم کے بھیانک تاریخی کردار سے بھی ہوتی ہے۔ عیسائیوں کی باہمی چپقلش ہو یا مسلمانوں کی باہمی لڑائیاں، صلیبی یلغار ہو یا تاتاری فتنہ، کسی نہ کسی انداز میں ان میں یہودی ہاتھ ضرور کارفرما نظر آتے ہیں۔ حالیہ دور میں جنگ عظیم اول ہو یا دوم، امریکا اور روس کے مابین سرد جنگ ہو یا پھر موجودہ نام نہاد دہشت گردی کے خلاف جنگ، سبھی واقعات میں یہودیوں کا کوئی نہ کوئی گروہ ملوث دکھائی دیتا ہے۔ ازروئے قرآن چونکہ یہودیوں کے مابین ہمیشہ کے لئے بغض و عناد ڈال دیا گیا ہے، لہٰذا جب اُن کا کوئی گروہ اپنے مفادات کی خاطر زمین میں کہیں فتنہ و فساد اور جنگ کی آگ بھڑکاتا ہے تو اُنہی کا کوئی دوسرا گروہ مشیت ایزدی کے تحت اسے ٹھنڈا کرنے میں بھی بلاواسطہ یا بالواسطہ طور پر ملوث دکھائی دیتا ہے۔ اس کی واضح مثال ماضی قریب میں سوشلزم اور کیپٹل ازم کی جنگ ہے۔ سوشلزم کا نظریہ ایک یہودی کارل مارکس نے پیش کیا تھا، جس کی بنیاد پر اولین انقلاب روس میں آیا جس کے روح رواں لینن اور ٹراٹسکی وغیرہ یہودی تھے۔ سوشلزم کو سب سے زیادہ مزاحمت کا سامنا سرمایہ دارانہ بلاک کی طرف سے کرنا پڑا، جس کی باگ ڈور بھی یہودی ساہوکاروں کے ہاتھوں میں تھی۔

ہم اس حقیقت سے بھی آگاہ ہیں کہ ہجرت نبوی ﷺ سے قبل یہود کے تین قبائل مدینہ منورہ میں آباد تھے مگر یہ قبائل اسلام کے خلاف متحد ہونے میں ناکام رہے اور ایک ایک کر کے مسلمانوں کے راستے سے ہٹتے چلے گئے۔ یہ بات بھی توجہ طلب ہے کہ یہودیوں کی ایک بڑی تعداد موجودہ صیہونی ریاست کی مخالف بھی سمجھی جاتی ہے اور اس کے خاتمے کی ایک وجہ بلاواسطہ یا بالواسطہ طور پر یہ لوگ بھی بن سکتے ہیں۔ ازروئے قرآن یہودیوں کی نااتفاقی اور بداعمالیوں کی وجہ سے اُن پر ہمیشہ کے لئے ذلت اور محتاجی کا عذاب تھوپا جا چکا ہے:

''اُن (یہود) پر ذلت کی مار مسلط ہوگی، جہاں کہیں بھی وہ پائے جائیں مگر یہ کہ پناہ میں آجائیں اللہ کی اور پناہ میں آجائیں انسانوں میں سے کسی (گروہ) کی۔ اور اُن پر محتاجی مسلط کر دی گئی بسبب اس کے کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے تھے، بسبب اس کے کہ وہ نافرمان اور حد سے بڑھ جانے والے تھے۔'' (آل عمران:112)

اس آیت مبارکہ پر غور کریں تو علامہ اقبال کا فرمودہ ''فرنگ کی رگ جاں پنجۂ یہود میں ہے'' مبالغہ پر مشتمل دکھائی دیتا ہے۔ یہودی اپنی آبادی یا فوجی قوت کی بناء پر کبھی بھی اس قابل نہیں ہو سکے کہ وہ کسی دوسری قوم پر غلبہ پا سکیں۔ اُن کی تمام تر کامیابیوں کا دارومدار اُن کی سازشی ذہنیت اور سرمایہ کے بل بوتے پر رہا ہے۔ جبکہ وہ اقوام جو یہودیوں کے ہاتھوں مغلوب ہوئیں یا اُن کے زیر اثر آئیں محض اپنی کمزوریوں کا نشانہ بنیں۔ امریکا اور برطانیہ وغیرہ ممالک کے متعلق یہ عمومی خیال کہ وہ یہودیوں کے ہاتھوں یرغمال بن چکے ہیں، ایک حد تک ہی درست ہو سکتا ہے۔ درحقیقت یہودیوں کے کثیر و بے مایہ مادی و علمی سرمائے سے استفادے کی ضرورت و ہوس نے اُنہیں یہودیوں کا دست نگر بنا رکھا ہے۔

جہاں تک برطانیہ، یورپ اور امریکا کی حمایت سے مشرق وسطیٰ میں اسرائیلی ریاست کے قیام اور اس کے تحفظ کی سامراجی پالیسیوں کا تعلق ہے تو ان کے پیچھے کئی مقاصد کارفرما نظر آتے ہیں، جن میں سے اہم ترین عرب ممالک کو اپنے قابو میں رکھنا اور ان کے معدنی وسائل کا بھرپور استحصال کرنا ہے۔ سامراجی قوتوں نے یہ پالیسی بھی اب تک بہت کامیابی کے ساتھ اختیار کی ہوئی ہے کہ مسلمانوں کے حکمران سیکولر و لبرل طبقات کو اپنا ہم خیال و اتحادی بنائے رکھو اور اُنہیں اپنی صفوں میں موجود بنیاد پرست طبقات سے ڈراتے رہو، تاکہ اُن کے استعماری عزائم و مفادات

بلا روک ٹوک پورے ہوتے رہیں۔ دنیا کے تمام مذاہب و معاشروں (بشمول اُمت یہود اور اُمت مسلمہ) کے اندر راسخ العقیدہ لوگوں کے ایسے گروہ موجود ہیں جو اپنے عقیدہ پر جمے ہوئے ہیں۔ مسلمانوں میں اسلام کے سچے وفاداروں اور اُس کے احیاء کا نعرہ بلند کرنے والوں کی تنظیمیں اور جماعتیں ہیں۔ یہ لوگ اسلام کی حقیقی تعلیمات کے مطابق قانون شریعت کو سربلند کرنا چاہتے ہیں۔ مغربی دنیا میں انہیں ''بنیاد پرست'' کا نام دیا گیا ہے۔ روایات اور دیگر آثار و قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سیکولر اور بنیاد پرست طبقات کے مابین جاری موجودہ کشاکش کا نتیجہ بالآخر بنیاد پرست طبقات کے غلبہ کی صورت میں ہی برآمد ہوگا۔ جہاں تک اُمت مسلمہ کا تعلق ہے تو ہم اُن روایات سے بخوبی واقف ہیں جن میں ٹھیٹھ اسلامی اصولوں کے مطابق دو مرتبہ قیام خلافت کی بشارت دی گئی ہے۔ ان میں سے پہلا دور خلفائے راشدین کا تھا، جبکہ دوسرا دور ان شاء اللہ مستقبل قریب میں آنے والا ہے۔

جس طرح احادیث نبویہ ﷺ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اُمت مسلمہ کو دو مرتبہ خلافت علی منہاج النبوۃ کے قیام یا بالفاظ دیگر ایک حقیقی اور عظیم ترین غلبہ و کامرانی کی خوشخبری دی گئی تھی، اسی طرح قبل ازیں بنی اسرائیل کو بھی اُن کی الہامی کتب میں دو ہی بار غلبہ عظیم حاصل ہونے کی بشارت سے نوازا گیا تھا، جس کا تذکرہ قرآن حکیم میں اس طرح سے کیا گیا ہے:

''اور ہم نے بنی اسرائیل کو اُن کی کتاب میں اس فیصلہ سے آگاہ کر دیا تھا کہ تم ضرور زمین میں دو مرتبہ فساد برپا کرو گے اور تم (دو ہی مرتبہ زمین میں) ضرور غلبۂ عظیم (بھی) حاصل کرو گے۔ پھر جب اُن میں سے پہلے وعدہ کا وقت آ گیا، تو ہم نے تم پر اپنے ایسے بندے مسلط کر دیئے جو سخت جنگجو تھے۔ پس وہ گھس کر تمہارے گھروں میں پھیل گئے اور اللہ کا (پہلا) وعدہ پورا ہو گیا۔ پھر ہم نے اُن پر تمہاری باری لوٹا دی (یعنی اُن پر تمہیں غالب کر دیا) اور ہم نے تمہاری اموال اور اولاد سے مدد کی اور تمہیں گروہ کثیر بنا دیا۔ اگر تم نے بھلائی کی تو اپنی جانوں کے لئے کی اور اگر تم نے برائی کمائی تو اپنی جانوں کے لئے ہی کمائی۔ پس جب دوسرے وعدے کا وقت آ گیا (تو دوبارہ ہم نے تمہارے اوپر اپنے بندے مسلط کر دیئے) تا کہ وہ تمہارے چہروں کو بگاڑ ڈالیں اور مسجد (اقصیٰ) میں داخل ہو جائیں جیسا کہ وہ پہلی بار اُس میں داخل ہوئے تھے اور تا کہ وہ ہر اُس چیز کو بری طرح تباہ و برباد کر ڈالیں جس پر غلبہ پائیں۔ بعید نہیں کہ تمہارا رب تم پر (ایک بار پھر) رحم فرمائے اور اگر تم دوبارہ ایسا کرو گے تو ہم بھی تمہارے ساتھ ویسا ہی (سلوک) کریں گے، اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لئے ایک قید خانہ بنا رکھا ہے۔'' (سورۂ بنی اسرائیل: 4 تا 8)

بنی اسرائیل کے متعلق مذکورہ بالا پیشگوئیوں کی تشریح کے حوالہ سے مفسرین کی آراء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان آیات اور ان کی تفسیر کے مطالعے سے درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں۔

(1) افراد کی زندگیوں کی طرح اقوام کی زندگیوں کا بھی ایک پیمانہ ہوتا ہے۔ بنی اسرائیل کے متعلق مذکورہ بالا دونوں پیشگوئیوں کے عرصہ کو اس قوم کی پوری زندگی (یعنی حضرت موسیٰ ؑ سے لے کر حضرت عیسیٰ ؑ کے آسمان سے دوبارہ نزول) تک وسعت پذیر سمجھنا زیادہ مناسب ہوگا، نہ کہ حضرت عیسیٰ ؑ کے رفع آسمانی تک، جیسا کہ بالعموم ایسا کیا گیا ہے اور ان دونوں وعدوں کے پایہ تکمیل تک پہنچ جانے کا حکم دے دیا گیا ہے۔ ان پیشگوئیوں کو بنی اسرائیل کی حیات کلی پر محیط سمجھا جائے تو ان کے متعلق دوسرے وعدے کی تکمیل ہنوز باقی ہے۔

(2) بنی اسرائیل کی طرف سے دو مرتبہ زمین میں فساد مچانے سے مراد اُن کا عظیم ترین فساد فی الارض اور دو بار غلبہ و سربلندی حاصل کرنے سے مراد عظیم ترین غلبہ و سربلندی حاصل کرنا ہے۔ بنی اسرائیل کو جو ترقی، رفعت اور سربلندی حضرت داؤد ؑ اور حضرت سلیمان ؑ کے دور میں حاصل ہوئی تھی، ویسی اگر حاصل ہوئی ہے تو صرف موجودہ دور میں، جو مستقبل میں مزید فزوں تر ہوگی حتیٰ کہ خروج دجال کے زمانہ میں اپنے منطقی انجام کو پہنچ جائے گی۔ اگر انہیں وعدہ الٰہی کے مطابق دوسری بار بھی غلبہ و سربلندی حاصل ہو جانے کا یقین ہو چکا ہوتا (جیسا کہ ایک رائے کے مطابق مکابی سلطنت کے قیام کی صورت میں یہ وعدہ پورا ہو چکا ہے) تو یہ قوم کب کی مٹ چکی ہوتی۔ اس قوم کی تاریخ ساڑھے تین ہزار سال پرانی ہے۔ اس عرصہ کے دوران کتنی ہی اقوام عروج کے زینے چڑھیں اور فنا کے گھاٹ اُتریں، مگر بنی اسرائیل کو نیست و نابود کرنے کی تمام تر کوششوں کے باوجود ختم نہ کیا جا سکا۔ جہاں تک اس قوم کی طرف سے دو مرتبہ عظیم ترین فساد فی الارض برپا کرنے کا تعلق ہے تو اُن کا پہلا عظیم ترین فساد اپنی طرف مبعوث ہونے رسول (یعنی حضرت عیسیٰ ؑ) کی تکذیب بلکہ اُنہیں پھانسی پر چڑھانے کی کوشش کو ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔ تاہم اُن کے اس دور فساد کو نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کی تکذیب اور اُنہیں قتل کرنے کی کوششوں تک بھی وسعت تک دی جا سکتی ہے۔ اُن کا دوسرا عظیم ترین فساد موجودہ دور میں جاری و ساری ہے جو خروج دجال کے وقت اپنے نکتہ عروج کو پہنچ جائے گا۔ حضرت مسیح ؑ کے آسمان سے دوبارہ نزول کے بعد بھی جو لوگ راہ راست پر نہ آئیں گے، وہی بدترین مفسد شمار ہوں گے جنہیں (از روئے احادیث) قتل کر دیا جائے گا۔

(3) دوسرے وعدہ الٰہی کے متعلق فرمایا گیا کہ اُس موقع پر جو قوم اُن پر غالب آئے گی، وہ قبل ازیں بھی مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس کو فتح کرنے کا اعزاز حاصل کر چکی ہوگی۔ راقم کے مطالعہ کی حد تک کوئی قوم دو بار بنی اسرائیل کو شکست دینے اور بیت المقدس پر قابض ہونے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ ایسا صرف مسلمانوں کے ہاتھوں ہوگا جو ان شاء اللہ مستقبل میں ارض فلسطین کو آزادی دلوانے کے ساتھ ساتھ اہل اسلام کے قبلہ اول یعنی مسجد اقصیٰ کو بھی یہود کے پنجے سے چھڑوائیں گے اور جس کی خبریں احادیث نبویہ میں بھی موجود ہیں۔

(4) دوسرے وعدہ الٰہی کے متعلق یہ بھی فرمایا گیا کہ اُس وقت بہت بڑی تباہی ہوگی اور یہودیوں کے چہرے بھی مسخ کر دیئے جائیں گے۔ دوران جنگ چہرے مسخ ہو جانے کا کوئی واقعہ ماضی میں رونما نہ ہوا ہے۔ البتہ اسے مستقبل کی ایک ایسی جنگ کی پیشگوئی ضرور کہا جا سکتا ہے جس میں لوگوں کی شکلیں بگاڑ کر رکھ دینے والے ہلاکت آفریں ایٹمی یا کیمیائی ہتھیار استعمال ہوں گے۔ اسلامی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ارض فلسطین میں ایک عظیم ترین جنگ یعنی ''الملحمة العظمیٰ'' وقوع پذیر ہوگی، جسے اہل کتاب کی روایات میں ہرمجدون یا آرمیگاڈون کی جنگ کا نام دیا گیا ہے۔ اس جنگ کے فریق مسلمان، عیسائی اور یہودی ہوں گے اور بیت المقدس (یروشلم) ایک ایسا شہر ہے جسے ان تینوں مذاہب کے پیروکار اپنے لئے مقدس سمجھتے ہیں۔ روایات سے البتہ یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ آیا بیت المقدس پر مسلمانوں کا قبضہ اس جنگ عظیم کے نتیجہ میں بحال ہو سکے گا یا پھر یہ جنگ بیت المقدس پر مسلمانوں کے دوبارہ قبضے کے ردعمل میں پیش آئے گی۔ تاہم اس جنگ عظیم کے دوران موجودہ اسرائیلی ریاست کا ختم ہو جانا ایک یقینی امر ہوگا۔

☆☆☆

ماشاءاللہ

محمد سمیع

جب کسی کے کام کو سراہا جائے تو سراہنے والا اسے کہتا ہے ''ماشاء اللہ''۔ اس لفظ کا عمومی مطلب تو یہی لیا جاتا ہے لیکن یہ اصل میں ایک یاددہانی ہوتی ہے کہ آپ کی یہ کارکردگی اللہ کے چاہنے کی بناء پر ہوئی ہے اور اس میں آپ کی صلاحیتوں وغیرہ کا کوئی دخل نہیں۔ لیکن مجھ جیسے ہیچمداں اس سراہے پر بڑی خوشی محسوس کرتے ہیں جس کا نتیجہ نفس کے موٹے ہونے کی صورت میں بھی نکل سکتا ہے۔ آیئے، ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ کے نیک بندے اس بارے میں کیا ردعمل ظاہر کرتے ہیں۔

سورۃ الکہف میں دو دوستوں کا بیان ہے جن میں سے ایک کو اللہ نے نہ صرف اولاد سے نوازا بلکہ ایک باغ بھی مہیا کر رکھا تھا جو اس کے رزق کا بہترین ذریعہ تھا۔ ایک مرتبہ جب وہ اپنے باغ میں گیا تو اس کے ثمر آور ہونے پر بجائے اللہ کا شکر ادا کرنے کے یہ کہنے لگا کہ میں نہیں سمجھتا کہ یہ باغ کبھی ختم بھی ہوسکتا ہے۔ میں گمان نہیں کرتا کہ وہ ساعت (قیامت) کبھی قائم ہوگی اور اگر ایسا ہو بھی گیا تو جب مجھے اللہ کی طرف لوٹایا جائے گا تو وہاں بھی میرے ساتھ اسی طرح خیر کا معاملہ کیا جائے گا جس طرح اس دنیا میں کیا جارہا ہے۔ اس موقع پر اس نے اپنے تنگدست دوست کے بارے میں بھی کچھ توہین آمیز باتیں کیں۔ یہ ایسی ہی بات ہے کہ جیسے آج کوئی دنیا میں اللہ کی جانب سے انعامات سے نوازا جائے تو وہ سمجھتا ہے کہ اللہ مجھ سے خوش ہے، جبھی تو اس نے مجھے اتنا نوازا جارہا ہے۔ حالانکہ ممکن ہے کہ اس طرح اللہ اس کو آزمائش میں ڈال رہا ہو اور وہ یہ گمان کرے کہ جب اللہ تعالیٰ مجھ سے خوش ہے تو کیا وجہ ہے کہ اس کی یہ نوازشات اُخروی زندگی میں اسے حاصل نہ ہو۔ ایک مرتبہ ایک ایسا ہی مشاہدہ میرے سامنے آیا۔ کراچی سائٹ کے شاپنگ سنٹر میں سائٹ کے چیف انجینئر نے ایک صاحب سے اس کی خیر خیریت دریافت کی تو اس نے بڑی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میرے کاروبار کو بڑی وسعت دی ہوئی ہے۔ انجینئر صاحب نے جواباً کہا کہ اس صورتحال پر زیادہ نہ اتراؤ، کیا پتہ اللہ طرح تمہیں کسی آزمائش میں ڈالنا چاہ رہا ہو۔ ہاں تو میں عرض کر رہا تھا باغ والے کا۔ اس کے تنگدست دوست نے اس سے کہا کہ تو اس ہستی کا کفر کررہا ہے جس نے تجھے مٹی سے بنایا اور نطفے کے ذریعے پیدا کیا اور پھر ایک سالم انسان بنادیا۔ حالانکہ وہی میرا رب ہے اور میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔ آگے قرآن اس کے جواب کو اس طرح بیان کرتا ہے: ''اور جب تو آیا تھا اپنے باغ میں کیوں نہ کہا تو نے کہ جو چاہے اللہ سو ہو۔ طاقت نہیں مگر جو اللہ دے۔ اگر تو دیکھتا ہے کہ میں کم ہوں تجھ سے مال اور اولاد میں تو امید ہے میرا رب دے تیرے باغ سے بہتر اور بھیج دے اس پر لوکا ایک جھونکا آسمان سے پھر صبح کو رہ جائے میدان صاف۔'' (آیت 39-40) اور قرآن اس حقیقت کو بیان کرتا ہے کہ پھر ایسا ہی ہوا۔

اب آیئے، حضرت سلیمانؑ کے اظہار تشکر کی طرف۔ یہ اللہ تعالیٰ کے وہ جلیل القدر پیغمبر تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے ایسی بادشاہت عطا کی تھی جیسی آج تک کسی کو عطا نہیں ہوئی۔ جن کی بادشاہت بلکہ جن، چرند و پرند اور ہوا پر بھی تھی۔ ایک مرتبہ وہ اپنے لشکر کے ہمراہ کہیں تشریف لے جارہے تھے۔ راستے میں چیونٹیوں کا ایک قافلہ جارہا تھا۔ لشکر کو دیکھتے ہی اس میں سے ایک چیونٹی نے اپنی ساتھیوں کو خبردار کرتے ہوئے کہا کہ بادشاہ کا لشکر آرہا ہے۔ ایک طرف سمٹ جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ لشکریوں کے پاؤں تلے کچلی جاؤ۔ اس پر سورۃ النمل میں حضرت سلیمانؑ کا ردعمل ان الفاظ میں ظاہر کیا گیا: ''پھر مسکرا کر ہنس پڑا اور بولا اے میرے رب میری قسمت میں دے کہ میں تیرا شکر ادا کروں تیرے احسان پر جو تو نے مجھ پر کیا اور میرے والدین پر اور یہ کہ کروں کام نیک جو تجھے پسند ہو اور ملالے مجھ کو اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں۔'' (آیت 19:)

سورۃ الکہف ہی میں ذوالقرنین کا واقعہ بیان ہوا ہے جس نے کسی قوم کی فرمائش پر اسے یاجوج ماجوج کے حملوں سے بچانے کے لئے ایک آہنی دیوار تعمیر کروادی تھی۔ اس کے بعد اس نے اس قوم کو یہ الفاظ کہے: ''مہربانی ہے تیرے رب کی اور میں نے نہیں کیا اپنے حکم سے۔ بولا یہ ایک مہربانی ہے میرے رب کی، پھر جب آئے وعدہ میرے رب کا گرادے اس کو ڈھا کر اور میرے رب کا وعدہ سچا ہے۔'' (آیات 82 اور 98)۔

اس مضمون کے آغاز میں جس طرح اللہ کی جانب سے نوازے جانے پر نوازے جانے والے کی کیفیت کا ذکر تھا، مضمون کے آخر میں بھی ایک ایسے ہی شخص کا ذکر ہوجائے۔ آپ اور ہم سب اس کے نام سے واقف ہیں یعنی قارون جس کا تذکرہ سورۃ القصص آیات 76 تا 78) میں اس طرح کیا گیا ہے: ''یہ ایک واقعہ ہے کہ قارون موسیٰؑ کی قوم کا شخص تھا۔ پھر وہ اپنی قوم کے خلاف سرکش ہوگیا۔ اور ہم نے اس کو اتنے خزانے دے رکھے تھے کہ ان کی کنجیاں طاقت ور آدمیوں کی ایک جماعت مشکل سے اٹھا سکتی تھی۔ ایک دفعہ جب اس کی قوم نے اس سے کہا 'پھول نہ جا، اللہ پھولنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ جو مال اللہ نے تجھے دیا ہے اس سے آخرت کا گھر بنانے کی فکر کر اور دنیا میں بھی اپنا حصہ فراموش نہ کر۔ احسان کر جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے اور زمین میں فساد برپا کرنے کی نہ کر کہ اللہ مفسدوں کو پسند نہیں کرتا، تو اس نے کہا: یہ سب کچھ تو مجھے اس علم کی بناء پر دیا گیا ہے جو مجھ کو حاصل ہے ۔

دوستو! اس تحریر کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی آپ کو کسی بات پر سراہے اور جیسا کہ عموماً ایسے موقعوں پر ماشاء اللہ کہا جاتا ہے تو اس پر پھول جانے کی بجائے اللہ تعالیٰ کے حضور نذرانہ تشکر پیش کریں۔

☆☆☆☆☆

ضرورت رشتہ

کراچی میں رہائش پذیر فیملی کو اپنی بیٹی رفیقہ تنظیم، شرعی پردہ کی پابند عمر 21 سال، تعلیم ایم اے، پانچ سالہ عالمہ کورس، ایک سالہ معلّمہ کورس کے لیے دینی مزاج کے حامل لڑکے (ترجیحاً رفیق تنظیم) کا رشتہ درکار ہے۔ والدین رابطہ کریں۔

برائے رابطہ: 0300-2919473

اب کیا ہو گا؟

بلال خان

بہت سے ملکی وغیر ملکی مبصرین کی تحریریں اور رپورٹیں، اہلِ علم کے بیانات کا ایک سرمایہ اور علاماتِ قیامت اور دورِ فتن کے متعلق احادیث اور مہدی و دجال کے موضوع پر لکھی گئی کتابیں آج کے حالات پر روشنی ڈالتی ہیں۔ تنہائی میں بیٹھ کر پاکستان سمیت 57 اسلامی ممالک سے ملنے والی خبروں اور دنیا کے نقشے میں موجود بڑی طاقتوں کے عسکری اڈوں، تیل، گیس اور دیگر معدنی ذخائر پر غور وفکر کیا جائے تو جو نقشہ سامنے آتا ہے آدمی اس کے تصور سے بھی لرز جاتا ہے۔ آنے والے دنوں کے حوالے سے پاکستان کی تصویر ہوش اڑا دینے والی ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میں چیخ چیخ کر لوگوں کو خبردار کروں کہ آگ وخون کا ایک طوفان ہے جو ہماری طرف سرپٹ دوڑا چلا آرہا ہے۔ پھر سوچتا ہوں کہ اس سے زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ لوگ مجھے پاگل ومجنون گردانیں گے۔ پھر میرا جی چاہتا ہے کہ میں صاحب ارباب واختیار لوگوں کے پاس فریاد کروں۔ معاً مجھے خیال آتا ہے کہ جن لوگوں کے پاس حساس معلومات بھی ہیں اور اختیار بھی اور اس کے باوجود ان کے کانوں پر جوں نہیں رینگتی، ان کا دروازہ کھٹکھٹانا اپنی ہی شامت کو آواز دینا ہے۔ کبھی یہ سوچتا ہوں کہ اہلِ علم اور اہلِ اثر دردمند لوگوں کے پاس اپنا مدعا بیان کرنے جاؤں، پھر اپنی کم مائیگی کا احساس دامن گیر ہوتا ہے۔

معاملات اور حالات کے پس منظر اور وجوہات کی تفصیل میں جانا ضروری نہیں کہ اس بارے میں بہت سے لوگ بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔ میں نے خود بھی ماضی میں گاہے بگاہے یہ کوشش کی ہے۔ ابھی صرف یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ ممکنات میں جس چیز سے میں خوفزدہ ہوں اس کے چیدہ چیدہ نکات کیا ہیں اور موجودہ حالات میں میرے ناقص خیال میں کیا احتیاطی تدابیر اختیار کرنا ضروری ہیں۔ میں یہ سب کچھ صرف اس نیت سے لکھ رہا ہوں کہ قوم وملت کو خبردار کرنے کا ایک آخری فرض ادا کردوں، اس کے بعد باذن اللہ میں قلم کو ہمیشہ کے لئے رکھ دینے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اس مضمون کو اس دیوانے کی آخری پکار سمجھیں۔ پانی پل تک پہنچ چکا ہے، فصل پک چکی ہے۔ بند ٹوٹنے کو ہے۔ کٹائی ہونے کو ہے۔ جس بات کو میں آج سے چند سال پہلے سالوں اور دہائیوں پر قیاس کرتا تھا وہ شاید اب ہفتوں اور مہینوں کی بات ہے۔

عالمی طاقتیں بالخصوص امریکہ اپنے مذموم عزائم، اپنے منصوبوں اور اپنے ایجنڈوں میں ایک حد تک کامیاب ضرور ہوں گے اور ان کو اس سے کوئی نہیں روک پائے گا یہاں تک کہ اللہ رب العزت کے علم لامحدود اور منشا کے مطابق وہ اپنی حد تک پہنچ جائیں گے۔ وہ اپنے تئیں جو چالاکیاں اور مکر کر رہے ہیں، اور عالم اسلام کو تہہ تیغ کئے دے رہے ہیں وہ درحقیقت خدا کی منشا اور قوانین کے عین مطابق ہماری اپنی کمائی ہے۔ اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ خیر الماکرین ہے۔ وہ وقت ان شاء اللہ آنے والا ہے جب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کفار کا مکر ان کے منہ پر دے مارے گا۔ بے شک اللہ کافروں کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ اس میں اس پراپیگنڈے سے حقیقت ڈھونڈنے کی ضرورت ہے کہ فلاں دہشت گرد ہے اور فلاں کافر، فلاں ہندوستان کا ایجنٹ ہے اور فلاں امریکہ کا۔ من حیث الامت، تمام اسلامی دنیا کا حکمران طبقہ غلامان ابن غلامان پر مبنی ہے۔ دہشت گرد کہلانے والوں میں ممکن ہے کچھ تو واقعی ایجنٹ ہوں مگر اکثریت حقیقت میں جہاد کی نیت سے دین کی راہ میں کفار سے نبرد آزما ہیں، کیونکہ امریکہ بہادر کے پاس بھی اتنی دولت نہیں کہ وہ پوری پوری قوم، مسلک یا کمیونٹی کو خرید لے اور وہ بھی پٹھانوں جیسی قوم کو کہ غلامی جن کی سرشت میں نہیں، جن کی قومی اور دینی غیرت وحمیت کی پوری تاریخ گواہ ہے۔ لیکن ہم اس کا یقینی تعین نہیں کر سکتے کہ کون ایجنٹ ہے اور کون نہیں۔ کہ اس فتنے کے دور میں جو جس کو چاہتا ہے کافر قرار دے دیتا ہے، جو جس کو چاہتا ہے جاسوس اور ایجنٹ قرار دے دیتا ہے۔ مکمل اور صحیح معلومات کا فقدان، پراپیگنڈا، لیڈروں کے غیر اخلاقی، غیر قانونی اور غیر شرعی رویے، سیکولر قوانین اور انصاف کا بحران وہ چند عناصر ہیں جنہوں نے پاکستان میں بالخصوص ان رویوں کو پروان چڑھایا ہے۔ اس معاملے میں صرف جیو ٹی وی کی مثال سمجھنا کافی ہوگا کہ جو کچھ انہوں نے کیا اس پر معافی مانگ لینے کے باوجود، شریعت کے احکامات کے خلاف، ان کے خلاف نہ صرف معاندانہ کاروائیاں جاری ہیں بلکہ ان کو ہندوستان کا اور یہودیوں کا ایجنٹ بھی گردانا جاتا ہے۔ مجھے اس سے بحث نہیں کہ وہ ایجنٹ ہیں یا نہیں یہ معلوم کرنا عدالت کا کام ہے۔ لیکن نکتہ اور سوال صرف یہ ہے کہ جیو ایسا کیا کر رہا ہے جو باقی چینل نہیں کر رہے؟ جیو کو انڈین ایجنٹ کہنے والی ہماری قوم کی اکثریت کیا انڈین فلمیں، ڈرامے، ٹی وی شوز، اور گانے انتہائی رغبت سے دیکھتی اور سنتی نہیں ہے؟ وہ کیبل آپریٹر حضرات جو جیو ٹی وی کے خلاف کارروائی کر رہے ہیں کیا صبح شام ٹی وی پر انڈین پروگرام، فلمیں اور دیگر فضولیات نشر نہیں کرتے؟ کیا یہ بے شرمی کی حد تک کھلا تضاد نہیں ہے؟ جس قوم میں ظالم کو معافی اور مظلوم کو لاپتہ کر دیا جاتا ہو، جہاں برائی کے خلاف آواز اٹھانے والوں پر گولیوں اور فاسفورس کی بارش ہوتی ہو، جہاں انصاف ٹکوں میں بکتا ہو، جہاں حکمران طبقے کا ظلم، جبر اور ہوس فرعونوں کو بھی شرماتا ہو، اور جہاں محب غدار اور غدار محب کہلائے جائیں، جہاں انسان کا خون پانی سے زیادہ ارزاں ہو جاتا ہو، جہاں مائیں اپنے لاپتہ جگر گوشوں کے لئے ٹھوکریں کھاتی پھرتی ہوں، بہنیں تشدد زدہ لاشوں پر بین کرتی نظر آتی ہوں، بیویاں اپنے شوہروں کے انجام سے بے خبر تڑپتی ہوں، بچے پیدا ہی یتیم ہونے کے لئے ہوتے ہوں، ایسی قوموں میں انتشار اور بدامنی کے شعلے نہ بھڑکیں تو اور کیا ہو، یقیناً بغاوت اور خانہ جنگی ہی ایسی قوموں کا مقدر ہوتی ہیں۔ یہ تاریخ کا وہ عبرتناک سبق ہے جو اندلس، مغلیہ ہندوستان اور روم ومصر کی سلطنتوں کو خس وخاشاک کی طرح بہا چکا ہے۔

فی زمانہ جو کچھ ہو رہا ہے، اور ہونے والا ہے، بزرگوں کی باتوں اور تحریروں سے کچھ بنیادی اصول جو میں نے سمجھے ہیں بیان کئے دیتا ہوں تاکہ حق کی جستجو کرنے والوں کو حق وباطل، ظالم ومظلوم، اور محب وغدار کو پہچاننے میں آسانی ہو، اور آنے والے وقت میں مسلمان ایک دوسرے پر ظلم کرنے سے بچ سکیں۔

1۔ ایک حدیث پاک کی رو سے قوم سے محبت اور

عصبیت دو مختلف چیزیں ہیں۔ عصبیت یہ ہے کہ اپنی قوم کی ظلم پر مدد کی جائے۔ اور تمام عصبیتوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

2۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک قول کے مطابق حق وہاں ہے جہاں باطل کے تیر سب سے زیادہ برس رہے ہیں۔ آج سارا عالم کفر کس کے خلاف جمع ہو چکا ہے یہ اظہر من الشمس ہے۔

3۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ وہ اسے کسی بھی حال میں نہ نقصان پہنچاتا ہے نہ پہنچانے میں کسی کافر کی مدد کرتا ہے۔ نہ ہی وہ اسے گرفتار کرتا ہے، نہ کافر کے ہاتھ فروخت کرتا ہے، نہ ہی اسے قتل کرنے میں معاون و مددگار ہوتا ہے۔ مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے بقول کسی مسلمان کے قتل میں کافر کی مدد کرنا قتل مسلم کی تیسری شکل اور بدترین قسم کا کفر و ارتداد ہے۔

4۔ کسی قسم کا کوئی بھی اخلاقی، قانونی، یا شرعی جواز اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کوئی مسلمان، اپنے مسلمان بھائی اور کافر کے مابین جنگ میں کافر کا ساتھ دے۔ یہاں تک کہ اپنی جان و مال کو بچانے کے لئے یا معاشی و سفارتی مشکلات یا پابندیوں کا خوف بھی اس کا جواز نہیں بن سکتا۔ (اس ضمن میں گزشتہ سال حضرت مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ کا فتویٰ قرآن و حدیث کی روشنی میں نہایت جامع ہے)۔

امریکہ بہادر اور اس کے حواری نے جو خوفناک اور خونی کھیل دنیا بھر میں اور خاص طور پر اسلامی دنیا میں کھیل رہے ہیں، اس کے مرکزی خیالوں میں ایک خیال وہ نقشہ ہے جو کرنل رالف پیٹرز نے 2006ء میں یو ایس آرمڈ فورسز جرنل میں شائع کیا تھا۔ یہ کوئی نیا نقشہ نہیں بلکہ اس تاریخی برطانوی صیہونی یہنان پلان کے عین مطابق ہے جس کے تحت مشرق وسطیٰ کو پہلے بھی تقسیم کیا گیا تھا اور اب مزید کرنے کا ارادہ ہے۔ میری ناقص رائے یہ ہے کہ، خاکم بدہن، وہ ایسا کرنے میں کافی حد تک یا مکمل طور پر کامیاب ہو جائیں گے۔ کیونکہ 2006ء میں شائع ہونے والے اس نقشے میں احادیثِ رسولؐ کا وہ حصہ جو دور فتن اور آخری جنگوں کے بارے میں ہے پورا ہوتا نظر آ رہا ہے۔ بالخصوص پاکستان، افغانستان، عراق، شام، یمن، سعودی عرب اور مصر میں جو کچھ اس وقت ہو رہا ہے اس سے امریکہ بہادر اپنے مقاصد میں جلد کامیاب ہوتا نظر آتا ہے۔ پاکستان میں شمالی وزیرستان میں آپریشن شروع کروا کر اچھے اور برے کا فرق ختم کرنے کا مقصد وہ حاصل کر چکے ہیں۔ تحفظِ پاکستان بل بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ ملک کے تمام بڑے شہر فوج کے حوالے کئے جا چکے ہیں اور عمران خان کی ان تمام گھسے پٹے مہروں سے، جن کو وہ خود کبھی کوسا کرتے تھے، بڑھتی محبت سے پیدا ہوتی صورتحال سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جلد امریکہ بہادر کی پاکستان میں مارشل لاء کی پیشین گوئی بھی پوری ہو جائے گی۔ اور اس کے بعد رٹ قائم کرنے کے نام پر ہر قسم کے احتجاج کو بزور طاقت کچل دیا جائے گا اور پھر وہی ہو گا جو شام اور لیبیا میں ہو چکا ہے اور عراق میں ہو رہا ہے۔ ان سب ممکنات سے خانہ جنگی اور خون در خون کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہوتا نظر آتا ہے۔

ان ممکنہ حالات میں ایک عام آدمی کیا کر سکتا ہے؟ عراق، شام اور لیبیا کے حالات و واقعات پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ ایسے حالات میں روح اور جسم کا تعلق برقرار رکھنا کس قدر مشکل اور تکلیف دہ ہو جاتا ہے۔ ان حالات میں کچھ کام ایسے ہیں جو کم از کم ہم سب کر سکتے ہیں۔ وہ ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں، باقی یا قسمت یا نصیب۔ ہم میں سے جو لوگ وسائل رکھتے ہیں ان کو چاہیے کو وہ بیرون ملک اپنے عزیزوں کے پاس چلے جائیں۔

1۔ صبح شام کثرت سے توبہ اور استغفار کیجئے۔

2۔ نماز، تلاوت اور مسنون درود اور وظائف کی سختی سے پابندی کیجئے۔

3۔ اپنے محلے یا علاقے کی مسجد کو آباد کیجئے۔

4۔ اہل اللہ اور صالح و نیک لوگوں کی صحبت اختیار کیجئے۔ صحیح العقیدہ، باعمل علماء سے ربط پیدا کیجئے اور کچھ دین کو سیکھنے اور تبلیغ کرنے کی کوشش کیجئے۔

5۔ یہ دور فتن ہے۔ حتی الامکان ٹی وی سے مکمل اجتناب کیجئے، اور خبروں کے لئے صرف اخبار کا سہارا لیجئے اور ہر خبر پر اندھا دھند یقین مت کریں۔ ہر قسم کے ساز و موسیقی سے مکمل پرہیز کیجئے۔ نہ جانے موت سے کب واسطہ پڑ جائے اور اس وقت کلمہ شہادت کے بجائے کان یا زبان پہ گانا بجانا جاری ہو یہ کون مسلمان چاہے گا؟ اللہ تعالیٰ ہم سب کو محفوظ رکھے۔

6۔ مشتبہ لوگوں اور مشتبہ جگہوں سے بالکل دور رہیں۔ بازار ضرورت کے تحت جائیں اور جس کام سے جائیں جلد از جلد اس کو پورا کر کے سیدھے گھر واپس آئیں۔ بازار پہنچتے ہی چوتھا کلمہ پڑھیں۔ ایسی جگہوں سے حتی الامکان دور رہیں جہاں بے حد رش ہو، یا سرکاری عمارات اور دفاتر ہوں۔ روزگار کے لیے یا کسی اور مجبوری کے تحت گھر سے باہر جانا پڑے تو مسنون دعاؤں کے حصار میں گھر سے نکلیں۔

7۔ حسب استطاعت ضرورت سے زائد خوراک، پانی اور دوا کا ذخیرہ رکھیں اور تینوں میں سے کسی کو بھی ضائع ہونے سے بچائیں۔

8۔ قابل اعتماد اور ذہنی ہم آہنگی والے دوست رشتہ داروں کا حلقہ یا ٹیم (گروپ) بنائیں۔ ان سے قریبی تعلق رکھیں اور کسی بھی مشکل کے وقت ایک دوسرے کو مدد کے لئے بلانے کے طریقے وضع کریں۔ ایسے طریقے بھی وضع کریں کہ بالفرض موبائل یا دیگر ٹیکنالوجی کام نہ کریں تو SOS کال کیسے کرنی ہے؟ اس حصار کو قائم کرتے وقت اس کو ایک تنظیمی ڈھانچہ بھی دیں، کہ مشکل حالات میں کس کو مشاورت اور فیصلہ کرنے کا اختیار ہو گا۔ اس کے علاوہ اپنے اپنے حالات اور وسائل دیکھ کر، باہمی مشورے اور بھائی چارے کے ساتھ مزید احتیاطی تدابیر بھی اختیار کی جائیں جیسے کہ اگر خاندان یا دوستوں میں کوئی ڈاکٹر موجود ہے تو بنیادی طبی امداد کی ٹریننگ کریں۔

9۔ صبح و شام کے معمولات کی پابندی کریں، نماز کی ادائی کے ساتھ دیگر کاموں کے اوقات مقرر کریں اور ورزش کے لئے لازمی وقت نکالیں، کم از کم چہل قدمی ہی کیوں نہ کریں لیکن جسم کو چستی اور مشقت کی عادت ڈالیں۔ کم کھانے اور کم سونے کی عادت ڈالیں۔

10۔ اور اللہ تعالیٰ سے مضبوط تعلق جوڑیں اور کثرت سے موت و حیات کے فتنوں اور فتنۂ دجال سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگیں، جان، مال اور ایمان کی حفاظت، اور عامۃ المسلمین اور دین سے مخلص لوگوں کی نصرت، اور اسلام کی بقا اور غلبے کے لئے بکثرت دعائیں کریں۔

قوموں پر جب برا وقت آتا ہے تو اُن کے قابل حکمران اُن کا تحفظ کرتے ہیں۔ بدقسمتی سے ہم اس نعمت سے محروم ہیں۔ تصادم کی جو نئی اقسام امریکہ بہادر نے ایجاد کر دی ہیں ان کا مقابلہ باہمی مشورہ، بھائی چارے، ایمان، اتحاد اور تنظیم سے ہی ممکن ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے ان اندازوں کو غلط ثابت کر دے، اور اگر خدانخواستہ، میرے اندازے کسی بھی حد تک صحیح ہیں تو اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت، مدد اور نصرت فرمائے۔

و آخر دعونا ان الحمدللہ رب العالمین

☆☆☆☆☆

پاکستان کیوں بنا؟ —— چند ناقابل تردید حقائق

پاکستان 14 اگست 1947ء کو رمضان المبارک کی ستائیسویں شب (جس کے بارے میں گمان غالب ہے کہ وہ لیلۃ القدر ہے) معرض وجود میں آیا۔ مصورِ پاکستان علامہ اقبال اور معمارِ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستان کے قیام کا جواز واضح طور پر یہ بتایا تھا کہ دورِ ملوکیت میں اسلام کے چہرے پر جو بدنما داغ پڑ گئے تھے اُنہیں ختم کر کے ایک حقیقی اسلامی فلاحی ریاست قائم کی جائے گی۔ قائداعظم نے قبل از تقسیم کہہ دیا تھا کہ پاکستان کا آئین قرآن پاک کی صورت میں تیرہ سو سال سے موجود ہے۔ یقیناً قائداعظم تھیوکریسی کے خلاف تھے، لیکن اُنہوں نے اپنی تحریر و تقریر میں کبھی سیکولرازم کا لفظ استعمال کرنا گوارا نہ کیا تھا۔ قیامِ پاکستان کے صرف ڈیڑھ سال بعد 1949ء میں قراردادِ مقاصد نے اس حقیقت پر مہر تصدیق ثبت کر دی کہ پاکستان خالصتاً ایک اسلامی ریاست ہوگی۔ پاکستان کے سیکولر طبقات اور بیرونی بدخواہوں نے قائداعظم کی 11 اگست 1947ء کی تقریر کی من مانی تاویلات کر کے یہ ثابت کرنا چاہا کہ قائداعظم پاکستان کو ایک سیکولر ملک دیکھنا چاہتے تھے۔ ان تاویلات کی حقیقت کیا ہے یہ ایک الگ موضوع ہے، لیکن جدید تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ قائداعظم کی 11 اگست کی تقریر میں سرے سے کوئی متنازعہ بات موجود ہی نہ تھی۔ یہ عدلیہ کے ایک سابقہ سیکولر منصب دار نے خیانت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بعض جملوں کا اپنی طرف سے اضافہ کر دیا تھا۔ برٹش لائبریری کی پوری چھان بین کے باوجود ان اضافی جملوں کا سراغ نہیں لگایا جا سکا۔ ہندوستان کی وزارتِ خارجہ بھی اس حوالہ سے پاکستان کی وزارتِ خارجہ کو کورا جواب دے چکی ہے۔ سیدھی سی بات ہے کہ سیکولر پاکستان بنانے کے لیے سیکولر بھارت سے الگ ہونے کی ضرورت کیوں تھی؟ تاریخ کی سب سے بڑی انسانی ہجرت کیوں عمل میں آئی؟ لاکھوں جانوں کی قربانی کیوں دی گئی؟ ہزاروں مسلمان عورتوں کی عزت و عصمت کی قربانی کیوں گوارا کی گئی؟

حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کچھ مصطفویؐ دیس کے قیام کے لیے قربان کیا گیا۔ ہم نے دنیا کو پاکستان کا مطلب ''لا الٰہ الا اللہ'' بتایا' لیکن پھر ہم خود منحرف ہو گئے۔ وعدہ خلافی پر سزا کا پہلا کوڑا 1971ء میں ہماری پیٹھ پر پڑا جب پاکستان کو بھارت کے ہاتھوں ذلت آمیز شکست ہوئی اور وہ دولخت ہو گیا۔ موجودہ پاکستان بھی اس لیے لڑکھڑا رہا ہے کہ اس کی تعمیر اس کی اصل بنیاد سے ہٹ کر کی گئی ہے۔ غیر ہی نہیں خود اہل پاکستان بھی اس کی بقا اور سلامتی کے حوالہ سے شکوک و شبہات میں مبتلا ہیں۔ ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ نظریۂ پاکستان کی عملی تعبیر ہی پاکستان کو نہ صرف محفوظ و مامون بنا سکتی ہے بلکہ ایک مضبوط و توانا ریاست بنا سکتی ہے۔ پاکستان اسلام کے نام پر بنا تھا' صرف اسلامی فلاحی ریاست کی صورت میں ہی زندہ و پائندہ رہ سکتا ہے۔

من جانب: تنظیمِ اسلامی پاکستان

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

امیر: حافظ عاکف سعید حفظہ اللہ